مشعلِ راہ

نخشبؔ جارچوی

مِرا نقشِ ادب لوحِ ابد پر رہنے والا ہے
کہ میں نے زندگی کو شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے

نخشب



نخشب

فہرس

انتساب

اگر یہ سچ ہے کہ زندگی محبّت اور محبّت خلوص ہے تو میں بایں ہمہ تہی دامنی اپنے اُس سرمایۂ خلوص و محبّت پر مطمئن ہوں جس کی بنا پر میں اپنے ادبی ذوق کے اِس نقشِ اوّل کو کنور شمشاد علی خان بی۔اے باغپت کے نام سے معنون کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں، جو میرے عزیز دوست ہیں۔

نیاز آگیں

نخشب

انوارِ سحرؔ[لہ]

اے کہ آزاد از طلسمِ این و آں تیرا خیال
ماورائے ہست و آئیں تیرا ذوقِ نظر
ثبت ہیں لوحِ دل پر اس طرح تیرے نقوش
جس طرح آئینۂ مشرق پہ انوارِ سحر

نخشب

لہ میرے عزیز دوست کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی۔ سحرؔ ۱۲

آئینہ

صدائیں دینے والے سامنے آ پردۂ دل سے
کہ اب مجھ تک تری آواز بھی آتی ہے مشکل سے
تمھیں پھر اپنے جلوے بھی نظر آئیں گے مشکل سے
اُٹھاؤ تو ذرا یہ دل کا آئینہ مقابل سے
نہ جانے آج کیوں دھڑکن مرے دل کی نہیں رُکتی
یہ آہٹ آپ کی تھی آپ گُزرے تھے ابھی دل سے
مری کشتی سے موجوں کو نرالا کھیل سوجھا ہے
کہ ہر جُنبش یہ اُس کو دُور کر دیتی ہیں ساحل سے
مری خودداریوں پہ شوق اے نخشب تصدُّق ہو
اُٹھائے کیوں کوئی میں خود اُٹھا جاتا ہوں محفل سے

یہ تو نہیں کہ جلوۂ حُسن تمام اور ہے
قیدِ نظر کے ساتھ ساتھ قیدِ مقام اور ہے

ہو گئی بزم منتشر ہم ہیں کچھ ایسے بے خبر
جیسے ہمارے واسطے اُن کا پیام اور ہے

جس کو نہ کوئی پا سکے غیرِ نگاہِ راز دار
نخشب ابھی ترے لئے ایسا پیام اور ہے

یہ وہم مٹ چلا کہ جہاں بے ثبات ہے
تم ساتھ ہو تو ساتھ مرے کائنات ہے

کچھ شکوۂ وفا نہ غمِ التفات ہے
اس رسم سے بلند مذاقِ حیات ہے

ابھی یہ منزلیں تو ختم ذوقِ آرزو کر لے
کہاں کھویا ہوا ہے آپ اپنی جستجو کر لے

کہیں اچھے بھی ہوتے ہیں جہاں میں عشق کے مارے
مگر اپنی سی تو بھی کوششیں اے چارہ جو کر لے

جبینِ شوق یوں ہر گام پر سجدوں سے کیا حاصل؟
تجھے کافی ہے اِک سجدہ جو اُن کے روبرو کر لے

بہت ممکن تمہیں سے یہ دلِ مضطر بہل جائے
ذرا ٹھہرو کہ مخشبؔ تم سے تھوڑی گفتگو کر لے

آپ تو گھبرا گئے بیتابیِ دل دیکھ کر
کیا کہیں گے بندہ پرور اہلِ محفل دیکھ کر

میں تو ہوں پروردۂ آغوشِ طوفانِ فنا
خود ڈبو دیتا ہوں کشتی قُربِ ساحل دیکھ کر

اِک نگاہِ لُطف کی محتاج ہے تعمیرِ عشق
آپ کیوں گھبرا گئے ٹوٹا ہوا دل دیکھ کر

وہ بھی نخشب بیخودیِ دل سے آساں ہو گیا
درد جو بخشا گیا تھا ہم کو مشکل دیکھ کر

رگ رگ میں نورِ برقِ تجلّٰی لئے ہوئے
اُٹھا نہ جانے در سے ترے کیا لئے ہوئے

مجھ کو جنونِ شوق اُنھیں مستیِ شباب
دونوں ہیں بیخودی کا سہارا لئے ہوئے

میں پائمالِ گردشِ ہفت آسماں سہی
لیکن مٹا ہوں تیری تمنّا لئے ہوئے

آیا تو انقلابِ زمانہ بروئے کار
لیکن تری نظر کا سہارا لئے ہوئے

وہ لُطف وہ کرم وہ مدارات ہی نہیں
کل کی سی اُن میں آج کوئی بات ہی نہیں

میرے اور ایک جانِ تغافُل کے درمیاں
پردے کچھ اور بھی ہیں مری ذات ہی نہیں

مجھ پر کبھی نگاہ بھی ڈالی تو اِس طرح
جیسے کہ اُن کی مجھ سے مُلاقات ہی نہیں

نخشبؔ ہے اُن سے ترکِ تعلق کی آرزو
پہلا سا وقت پہلے سے حالات ہی نہیں

کس قدر تمہید رنگیں ہے شبِ آلام کی
مجھ کو مجھ سے چھینے لیتی ہیں فضائیں شام کی

اُس نگاہِ اوّلیں کو رو رہا ہوں آج تک
جس نے بنیادیں جمائی تھیں خیالِ خام کی

حُسن کی رنگینیوں میں مِل کے کھو جاتا ہے عشق
مے کے ڈھلتے ہی بدل جاتی ہے صُورت جام کی

آرزوؤں کا نکل جانا جُنوں کا نقص ہے،
کامیابی موت ہے مختشب دلِ ناکام کی

اُٹھانے والے یہ اِک بات ہے بتانے کی
جبینِ شوق سے زینت تھی آستانے کی

میں اس ادا کو نہ کیوں صبح دائمی کر لوں
ٹھہر کہ کھینچ لوں تصویر مُسکرانے کی

تمھاری آنکھوں میں یہ سُرخ سُرخ ڈورے ہیں
جھلک رہی ہے کہ سُرخی مرے فسانے کی

تجھے خبر بھی ہے نخشب سے رُوٹھنے والے
ترے بدلتے ہی بدلی نظر زمانے کی

خیال و خواب کی دُنیا میں لا کے دیکھ لیا
تری قسم تجھے تجھ سے چھپا کے دیکھ لیا

جو بن پڑے تو ذرا میرے بن کے بھی دیکھو
کہ تم نے مجھ کو تو اپنا بنا کے دیکھ لیا

کسی طرح بھی وہ دل سے جُدا نہیں ہوتے
ہزار طرح سے اُن کو بھلا کے دیکھ لیا

ابھی نہ آئے تھے اچھی طرح سے ہوش میں ہم
کسی نے ناز سے پھر مُسکرا کے دیکھ لیا

جو انقلاب نہ دیکھا تھا ہم نے اے نخشبؔ
وہ اُس نگاہ کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

شانِ وفا تو ہے اگر کارِ وفا نہ ہو سکا
سر کو جُھکائے رکھ اگر سجدہ ادا نہ ہو سکا

تیرے کرم سے فیض یاب کون گدا نہ ہو سکا
یہ تو مرا نصیب ہے میرا بھلا نہ ہو سکا

اپنی نظر سے پوچھ لے میرے جگر سے پوچھ لے
تیرا بھی آج تک کوئی میرے سوا نہ ہو سکا

قلبِ فریب خوردہ کو پھر بھی ہے اُس کا اعتبار
جس کا کہ آج تک کوئی وعدہ وفا نہ ہو سکا

نخشب خستہ حال نے کوششیں کیں ہزارہا
پھر بھی خیالِ حُسنِ دوست دل سے جُدا نہ ہو سکا

وہ نظریں مرے دل کا منشا سمجھ کر
مجھے چھینے لیتی ہیں اپنا سمجھ کر

تمھی نے تو دیوانہ مجھ کو بنایا
تمھی ہنس رہے ہو تماشا سمجھ کر

لکھا خط انھیں لکھ کے خود پھاڑ ڈالا
عبارت میں رنگِ تمنّا سمجھ کر

یہ مانا کہ بیمار سے تھا نہ مطلب
چلے آئے وہ رسمِ دُنیا سمجھ کر

اُسی نے کیا ہم کو پامال نخشب
دیا دل جسے ہم نے اپنا سمجھ کر

بیخودیِ عشق کا کچھ کچھ فسانا یاد ہے
مجھ کو اپنا سر تمہارا آستانا یاد ہے

عرضِ غم پر اُن کا یہ کہہ کر جلانا یاد ہے
اور کچھ فرمائیے یہ تو فسانا یاد ہے

برقِ سوزاں تو ہمیشہ پھولتی پھلتی رہے
آج تک تیری بدولت آشیانا یاد ہے

میرا دامن سے لپٹنا آپ شاید بھول جائیں
مجھ کو اب تک آپ کا دامن چھڑانا یاد ہے

تیرے جلووں میں دلِ غمگین شب کبھی آباد تھا
سچ بتا دے کیا تجھے بھی وہ زمانا یاد ہے

آج حالت ہے زبوں آپ کے دیوانے کی
اب مٹا چاہتی ہیں زینتیں ویرانے کی

اللہ اللہ یہ تجلّی ترے مے خانے کی
خُم کی لیتا ہوں بلائیں کبھی پیمانے کی

جنبشِ لب تھی فقط تم جسے شکوہ سمجھے
توبہ توبہ یہ کوئی بات تھی گھبرانے کی

راز اب تک نہ کوئی گبر و مسلماں سمجھا
کعبہ بکھری ہوئی تصویر ہے بُت خانے کی

عمر گزری ہے درِ پیرِ مُغاں پر نخشبؔ
کُل حقیقت ہمیں معلوم ہے مے خانے کی

کبھی ہم نے دیکھا تھا خوابِ محبّت
مگر آج تک ہیں خرابِ محبّت

غمِ دل پہ اب روشنی کون ڈالے
حجابوں میں ہے آفتابِ محبّت

کتابِ دو عالم مکمّل نہ ہوتی
نہ ہوتا اگر ایک بابِ محبّت

وہ نظریں مجھے دے رہی ہیں تسلّی
محبّت بنی ہے جوابِ محبّت

دُھندلکا سا ہے دِل کی دنیا میں مخشب
لبِ بام ہے آفتابِ محبّت

روئے مبیں ہے روبرو جلووں میں گم نظر بھی ہے
اپنے سے بے خبر بھی ہوں اپنی مجھے خبر بھی ہے

کوئی نہ جگمگا سکا رُوح مری ترے بغیر
ہونے کو یُوں تو ضو فشاں شمس بھی ہے قمر بھی ہے

دل میں سما گئے تو کیا سامنے میرے آئیے
طالبِ دید آپ کا دل ہی نہیں نظر بھی ہے

عشق بھی ہے کرشمہ ساز حُسن بھی ہے فسوں طراز
پہلے جو حال تھا اِدھر آج وہی اُدھر بھی ہے

نخشبؔ سادہ لوح کب حُسن سے کوئی بچ سکے
حس نہ ہو جس کے قلب میں اُس کیلئے مفر بھی ہے

نظر کو حاملِ برقِ جمال کر نہ سکا
غرورِ حُسن کو میں پائمال کر نہ سکا
وہ آنے والے زمانے کو کیا بنائیگا
جو آج تک مرے ماضی کو حال کر نہ سکا
شکستِ دل کا مرے راز آپ کیا جانیں
ملال ہی نہ ہوا یا ملال کر نہ سکا
مجھے لطیف ستم سے کرم کے پردوں میں
کچھ اُس نے ایسے مٹایا ملال کر نہ سکا
ہجومِ غم رہا نخششب مگر میں اپنے لیے
شراب و شاہد و نغمہ حلال کر نہ سکا

نگاہِ قہر پرور کو بھی تمہیدِ خوشی سمجھے
سمجھنا ہے تو کوئی ہم سے رازِ زندگی سمجھے

وفاؤں کا نتیجہ ہم تو جو کچھ ہے سمجھتے ہیں
مگر اے کاش انجامِ جفا وہ بھی کبھی سمجھے

اُسے دیر و حرم میں جاذبیت کیا نظر آئے
جو تیری دید کو اصلِ مذاقِ بندگی سمجھے

ہمیں تو خیر جو کچھ آپ نے چاہا وہ سمجھایا
مگر یہ تو ذرا سمجھائیے کچھ آپ بھی سمجھے

بھلا بخشش ترے اس بے نیازانہ رویّہ کو
کمالِ قُرب جانے یا محبت کی کمی سمجھے

کم از کم اس قدر ہو پختہ کاریِ نظر پیدا
جہاں نظریں جمادوں میں وہیں ہو اُنکا در پیدا

ستارے ڈوبتے ہیں سینہ شق ہوتا ہے مشرق کا
کہیں جب جاکے ہوتی ہے شبِ غم کی سحر پیدا

درِ مقبول تک جاکر دعائیں لوٹ آتی ہیں
نہیں ہوتا کسی صورت کسی کے دل میں گھر پیدا

بہت پچھتاؤ گے ہم کو مِٹا کر بزمِ عالم سے
سمجھ لو آئے دن ہوتے نہیں اہلِ نظر پیدا

گواہی دے رہے ہیں یہ در و دیوار زنداں کے
نہ ہوگا کوئی نخشب تجھسا بھی آشفتہ سر پیدا

رموزِ قلب و نگاہ کیا ہیں کسی کو اس کی خبر نہیں ہے
وہی ہیں مرکز مری نظر کے اُنھیں پہ میری نظر نہیں ہے

زمانہ جو کچھ بھی چاہے سمجھے کوئی نہ مجھ سے یہ راز پوچھے
میں کس تخیل میں کھو گیا ہوں مجھے بھی شاید خبر نہیں ہے

نظر نظر ہے سکوں کا حاصل نفس نفس میں کرم ہے شامل
قسم گزشتہ نوازشوں کی یہ لمحہ بھی معتبر نہیں ہے

یہ آنکھوں آنکھوں میں ربطِ باہم سوال پیہم جواب پیہم
یہ وہ مقامِ وفا ہے جس میں ہر اک نظر کا گزر نہیں ہے

مری خموشی کو انجمن میں تو سعیِ اخفائے غم سمجھنا
یہ واقعہ ہے کہ دل ہے گریاں یہ حُسن ہے آنکھ تر نہیں ہے

کرم ہے اُن کی نظروں کا حریفِ جسم و جاں ہونا
کہ توہینِ محبت ہے یہ پردہ درمیاں ہونا

یوہیں دامن بچائے دل کی حد سے بھی گزر جاؤ
بہر صورت تمھیں آتا تو ہے دامن کشاں ہونا

وہ پتھر سجدہ کرنا جس کو ننگِ بندگی ٹھہرے
میسّر ہو اُسی کو تیرا سنگِ آستاں ہونا

ابھی دنیا ہے ناواقف رموزِ حُسن و اُلفت سے
ذرا اِک روز تم بھی سازِ دل پر نغمہ خواں ہونا

اُمنڈ کر آ گیا آنکھوں میں اُن کے روبرو نخشب
کہ جس جس اشک کو بھی تھا شریکِ داستاں ہونا

نظر والے شریکِ جلوہ گاہِ طور ہوتے ہیں
کہ ہر محفل کے دُنیا میں الگ دستور ہوتے ہیں

جہاں جلوے ہی جلوے ہوں وہاں نظریں نہیں ہوتیں
وہ سب پردے اُٹھا دیتے ہیں جب مستور ہوتے ہیں

سیہ بختی میں ہم رنگی ہی شاید کچھ سکوں بخشے
ترے مہمان ہم بھی اے شبِ دیجور ہوتے ہیں

محبت اور بقیدِ رسم توہینِ محبت ہے
وہ دیوانے نہیں جو واقفِ دستور ہوتے ہیں

سمجھتے ہیں شریکِ جلوۂ رنگیں مگر نخشب
یہ وہ منزل ہے اہلِ دل جہاں مجبور ہوتے ہیں

جب سے کہ نظر پڑ گئی شیدائے چمن کی
صورت سی نکھر آئی ہے لیلائے چمن کی

یہ لمحے ہی کافی ہیں اگر چین سے گزریں
مجھ کو نہ حقیقت کوئی سمجھائے چمن کی

ملتے ہی نظر چھن گئی یوں حسن کی دولت
جیسے کہ بہار آن میں لٹ جائے چمن کی

ہمدردِ اسیراں نہیں وہ دشمنِ جاں ہے
باتوں میں جو ہر بار قسم کھائے چمن کی

نخشبؔ ہے یہی میری سماعت کا تقاضہ
میں سنتا رہوں کوئی کہے جائے چمن کی

شکووں نے لیں پناہیں دامانِ خامشی میں
اس نے مزاج پوچھا لیکن رواروی میں

کچھ تھی حقیقتاً بھی اُن سے مجھے شکایت
کچھ بات بڑھ گئی بھی یوں ہی ہنسی ہنسی میں

ایذا پسند دل کو کیا کیا سکوں ملا ہے
یا اپنی دشمنی میں یا تیری دوستی میں

یہ خوبیِ وفا ہے یا تیرگیِ قسمت
تم نے مجھے بھی دیکھا اوروں کی روشنی میں

ہر بات شعر و نغمہ ہر شعر کیف و مستی
یہ کون جلوہ گر ہے منتخب کی شاعری میں

کیا ہو جنونِ شوق کا انجام دیکھئے
خود حُسن بھی ہے لرزہ براندام دیکھئے

تنہا جفائے دوست ہے وجہِ شکستِ دل
پھر بھی مجھی پہ آگیا الزام دیکھئے

وہ کر رہے ہیں میری وفاؤں پہ تبصرہ
رُکتی ہے نبضِ گردشِ ایّام دیکھئے

یوں اُن کو اعترافِ محبت نہیں ۔ مگر
آیا نہ پھر بھی لب پہ مرا نام دیکھئے

نخشب نفس کی آمد و شد پر ہے زندگی
کب تک رہیں یہ نامہ و پیغام دیکھئے

تمام درد ہوں لیکن لبوں پہ آہ نہیں
بقیدِ ضبطِ محبّت کوئی گُناہ نہیں

تمھارے جور و ستم کا تو عام چرچا ہے
یہ اور بات ہے بدظن دلِ تباہ نہیں

مآلِ شوق و محبّت جو ہو وہ میں جانوں
کسی کی آرزو کرنا تو کچھ گُناہ نہیں

مذاقِ دید بہر حال تشنہ کام رہا
کہیں تو آپ نہیں ہیں کہیں نگاہ نہیں

محبّت اپنی جگہ ہے مقیم اے نخشب!
ہزار اُن سے وہ پہلی سی رسم و راہ نہیں

یہ نوازش جو دائمی ہوتی
میری ہستی بھی قیمتی ہوتی
آپ کے دل کا بھی جواب نہ تھا
اس میں گر میری یاد بھی ہوتی
ربطِ باطن بجا سہی لیکن
کچھ تو تسکینِ ظاہری ہوتی
اِس حضوری سے فائدہ کیا تھا
بات جب تھی کہ بات بھی ہوتی
ان کی محفل میں جا کر اے نخشب
غم نہ ہوتا تو کیا خوشی ہوتی

جب بھی چاہا برقِ ایمن کو پشیماں کر دیا
جس جگہ بھی مل گئے دو دل چراغاں کر دیا

کتنا مستحکم نظامِ بزمِ امکاں کر دیا
تم نے اپنا راز میرے دل میں پنہاں کر دیا

کاتبِ قسمت کی شوخی نے پریشاں کر دیا
آپ کو اور میرے افسانے کا عنواں کر دیا

زندگانی اک مسلسل جستجو کا نام ہے
موت ہے تم نے اگر مشکل کو آساں کر دیا

گریۂ غم چند قطروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا
حُسن نے لیکن سہارا دے کے طوفاں کر دیا

ہوش میں یا ہوش کی حد سے گذر کر دیکھتے
تم دکھاتے تو سہی ہم روئے انور دیکھتے

طور و موسیٰ کا فسانہ اِک پُرانی بات ہے
آپ اب بھی تو ذرا جلوہ دکھا کر دیکھتے

رازِ اُلفت راز ہی رہتا یہ ممکن تھا اگر
میری صورت آپ بھی نظریں بچا کر دیکھتے

دیکھتے ہی ہوش رخصت ہو گئے اچھا ہوا
ورنہ کیسے دل کی بربادی کا منظر دیکھتے

زعمِ تابِ دید کی عزّت تمھارے ہاتھ تھی
تم دکھاتے یوں کہ نخشب روئے انور دیکھتے

کوئی در پردہ شاید مہرباں معلوم ہوتا ہے
کہ اب ہر سانس عمرِ جاوداں معلوم ہوتا ہے

وہ دیوانہ تمہارا رازداں معلوم ہوتا ہے
وہی جو بے نیازِ دو جہاں معلوم ہوتا ہے

سمجھ لیتے ہیں تم کو میری صورت دیکھنے والے
مرا چہرہ تمہاری داستاں معلوم ہوتا ہے

حقیقت کچھ بھی ہو لیکن تری اک بدگمانی سے
زمانے کا زمانہ بدگماں معلوم ہوتا ہے

یہی ترکِ تعلق کی ہے شاید آخری منزل
خیالِ دوست بھی دامن کشاں معلوم ہوتا ہے

وہ آئیں اور مرے گھر پر یقیں دل کو نہیں آتا
یہ ای نخشب کمالِ رازداں معلوم ہوتا ہے

محفل کو اُس نے آئینہ ساماں بنا دیا
جس دل پہ کی نظر اُسے حیراں بنا دیا

دل یادگارِ شوقِ فراواں بنا دیا
ہر سانس کو سفیرِ رگِ جاں بنا دیا

وہ اِک نظر جو لالہ و گُل کی امین ہے
دل کو اُسی نے جانِ گلستاں بنا دیا

اب ہر نگاہِ بزم مِری رازدار ہے
کیا حال میرا اے غمِ جاناں بنا دیا

جس دل سے بارِ یک نظرِ غم نہ اُٹھ سکے
اُس کو رہینِ گردشِ دوراں بنا دیا

مانوسِ غم ہوا دلِ مخشب تو آپ نے
دشواریوں کو زیست کی آساں بنا دیا

جنوں کے دور میں ایسی بھی اِک گھڑی آئی
کہ اپنے حال پہ بے ساختہ ہنسی آئی

وہیں دیا ہے سہارا جھلک دکھا کے مجھے
جہاں بھی ذوقِ طلب میں مرے کمی آئی

ہے اپنا ذوقِ محبت ورائے ذوقِ جہاں
کہ تم نے ظلم کئے مجھ میں تازگی آئی

فرازِ طور ہوا اس میں کہ بزمِ حُسن و جمال
اُڑائے ہوش جہاں بھی تجھے ہنسی آئی

مذاقِ کفر کی تو نے ہی تو بنا ڈالی
کہ تو نہ سامنے آیا نہ بندگی آئی

چلا جو کوچۂ جاناں کی سمت میں نخشبؔ
تو دور تک مجھے سمجھانے زندگی آئی

مرے ہر ہر نفس پر زندگی کم ہوتی جاتی ہے
چراغ اب بجھ رہا ہے روشنی کم ہوتی جاتی ہے

اِدھر میں جادۂ الفت میں تھک کر بیٹھا جاتا ہوں
اُدھر اُن میں بھی کچھ کچھ دل کشی کم ہوتی جاتی ہے

یہ سعیِ خود فراموشی نہ سعیِ رائگاں نکلے
میں کس منزل میں ہوں کیوں بیخودی کم ہوتی جاتی ہے

بدلتے ہی کسی کے مجھ سے نظمِ دو جہاں بدلا
مہ و اختر وہی ہیں روشنی کم ہوتی جاتی ہے

میں اب ہوش و خرد کی منزلیں طے کرتا جاتا ہوں
کہ اکثر دوستوں سے دوستی کم ہوتی جاتی ہے

مری بے ربطیاں بخشے سہی نقصِ جنوں لیکن
کچھ ان کے درد کی اب ٹیس بھی کم ہوتی جاتی ہے۔

سکونِ قلب بمقدارِ اضطراب نہیں
ستم کا تو یہ نگاہِ کرم جواب نہیں

تمہارا آج جہاں میں کہیں جواب نہیں
یہ اور کیا ہے اگر حُسنِ انتخاب نہیں

وہ اپنی زیست کے مقصد سے بھی نہیں واقف
تری تلاش میں جو خانماں خراب نہیں

مجھے مجاز یہ دھوکا ہوا حقیقت کا
میں خواب کو یہ سمجھتا رہا کہ خواب نہیں

میں کیسے رازِ جنوں ہر کسی کو سمجھاؤں
میں جس جگہ ہوں وہاں عقل باریاب نہیں

ابھی تو رازِ محبت ہے رازِ اے بخشش
نظر میں اُن کی رنگِ اجتناب نہیں

اہلِ ظاہر تیرا جلوہ کس نظر سے دیکھتے
دیکھنا ہی تھا تو چشمِ معتبر سے دیکھتے

جو نظر جلووں کی زد میں آگئی خیرہ ہوئی
ہم تمھیں بچ کر تمھاری رہ گذر سے دیکھتے

حُسن کی قسمت بغیرِ عشق کھُل سکتی نہیں
اپنا جلوہ آپ بھی میری نظر سے دیکھتے

احترامِ حُسنِ خود بیں کا تقاضہ تھا یہی
باخبر ہوتے ہوئے بھی بے خبر سے دیکھتے

اپنے مرکز پر ہی ہوتی ہے ہر اک شے بے نقاب
گردشِ ایام کو ہم تیرے در سے دیکھتے

کب تک آخر شکوہ سنجِ بے رخی نخشب نہ ہوں
یہ رویّہ آرہے ہیں عمر بھر سے دیکھتے

حُسن کی فطرت میں ضد ہے آزماتے جائیے
یاد آئیں گے اُنھیں جتنا بھُلاتے جائیے
امتیازِ ظاہر و باطن اُٹھاتے جائیے
میرے دل کو حُسن کی منزل بناتے جائیے
میں بھی روشن کر رہا ہوں حُسن کے پہلو تمام
آپ بھی جلووں کا آئینہ دکھاتے جائیے
دل اُلجھ جائے تو پھر تفریحِ نظّارہ کہاں؟
کوئی منظر ہو مگر دامن بچاتے جائیے
آپ کے جلوے سلامت میری حیرانی بجا
اِس حقیقت کو بھی افسانہ بناتے جائیے
آج نخشبؔ جان دے کر نقشِ پائے دوست پر
یہ جو اک پردہ ہے اس کو بھی اُٹھاتے جائیے

سارا میخانے کا میخانہ نہیں تھوڑی سی
آپ کہدینگے تو پی لینگے یہیں تھوڑی سی

میرے افسانے پر اُس جانِ تغافل نے کہا
یہ کہانی ہے درآغوشِ یقیں تھوڑی سی

پھر خدا جانے کسے ہم میں سے فرصت نہ ملے
گفتگو آپ سے ہو جائے یہیں تھوڑی سی

ساقیِ بزمِ ازل تیری سخاوت کے نثار
ہم بلانوش بھی پیتے ہیں کہیں تھوڑی سی

جیتے جی گو کسی جاگیر کے مالک نہ ہوئے
مر کے مل جائے گی ہم کو بھی زمیں تھوڑی سی

سجدہ ریزی سے بدلتے ہیں مقدر نخشب
آپ گھستے تو کسی در پہ جبیں تھوڑی سی!

فریبِ ہوش و خرد بھی بیانِ یار میں ہے
کہ وعدہ جھوٹ ہے اور حدِ اعتبار میں ہے

جو طور پر تھی وہی برق بزمِ یار میں ہے
مِری نگاہ مگر میرے اختیار میں ہے

ظہورِ نورِ حقیقت بقیدِ ہوش کہاں؟
فریبِ جلوہ ہے جو چشمِ ہوشیار میں ہے

رہِ وفا میں مجھے فکرِ ما سوا کیوں ہو؟
تم اختیار میں کیا ہو سب اختیار میں ہے

وہ جانتے بھی نہیں کیا ہیں اضطراب و جنوں
اور اُن کا ہاتھ بھی رعنائیِ بہار میں ہے

زمانہ بھر جسے کہتا ہے بے وفا نخشب
وہی وہی مرے آغوشِ انتظار میں ہے

یہ بھیگی بھیگی راتیں یہ دلربا فضائیں
اُس کے لئے ہیں دلکش جس کو بھی راس آئیں
کچھ آج چل رہی ہیں بہکی ہوئی ہوائیں
آثار کہہ رہے ہیں ممکن ہے وہ بھی آئیں
دل پر نہیں تو اتنا قابو ہو حافظہ پر
جو چاہیں یاد رکھیں جو چاہیں بھول جائیں
دل کی حدوں میں آکر غم بھی خوشی ہے ورنہ
تم اور غم یہ غم دو ہم اور مسکرائیں
پھیکا سا ہو چلا ہے افسانۂ محبت
پھر آج آپ روٹھیں پھر آج ہم منائیں
نیچی نظر کے ہاتھوں لُٹ لُٹ گئے ہیں نخشبؔ
رد ہو سکیں نہ ہم سے خاموش التجائیں

دل مرا خوگرِ آلام ہوا جاتا ہے
اب ستم بھی ترا انعام ہوا جاتا ہے

ضبطِ غم موت کا پیغام ہوا جاتا ہے
دل کی باتوں میں مرا کام ہوا جاتا ہے

نسبتِ خاص تو ہے ظلم پہ یوں شاد تھے ہم
یہ بھی انداز ترا عام ہوا جاتا ہے

تیری مخمور نگاہوں کے تصدق میں کوئی
واقفِ رازِ مے و جام ہوا جاتا ہے

ترکِ اُلفت سے جنوں مجھکو ہوا یوں ہی سہی
حُسن کیوں لرزہ بر اندام ہوا جاتا ہے

دل جو تھا ساغرِ صہبائے سکوں ای نخشبؔ
مرکزِ گردشِ ایّام ہوا جاتا ہے

کیا مزہ محبّت کا جب یہ خود پرستی ہے
دل میں وہ سمائے ہیں آنکھ اُنھیں ترستی ہے

میں اِسی پہ جیتا ہوں یہ ہی رازِ ہستی ہے
تیری مست نظروں سے زندگی برستی ہے

میری کیا حقیقت ہے تیرا پرتوِ رنگیں
حُسن کیا ہے بادہ ہے عشق کیا ہے مستی ہے

ملتے ہی نظر تم سے چل بسی تھی ہُشیاری
تم نے جو پلائی تھی یہ اُسی کی مستی ہے

تیری جستجو میں بھی سب کی ٹھوکریں کھائیں
عزم کی بلندی کیا بخت میں تو پستی ہے

ان کے ہو لئے جب تم پھر کہاں کی خودداری
عشق یہ نہیں مخمشّب یہ تو خود پرستی ہے

ذرّے ذرّے سے زمیں کے گفتگو کرتے رہے
دل کے ٹکڑوں کی ہمیشہ جستجو کرتے رہے

جینے والے چل بسے سن کر غمِ دنیا مگر
مرنے والے زندگی کی آرزو کرتے رہے

میں تو اِک جلوے میں اُن کے سربسجدہ ہو گیا
شیخ و زاہد وقت کھونے کو وضو کرتے رہے

جوش میں آئے تو دامن کی اُڑا دیں دھجیاں
ہوش میں آئے تو کانٹوں سے رفو کرتے رہے

کہنے والا کہہ گیا دو ہچکیوں میں رازِ غم
سننے والے مدّتوں تک گفتگو کرتے رہے

حضرت نخشب نمازِ عشق پڑھنے کے لئے
اشکِ چشمِ شوق سے اکثر وضو کرتے رہے

جنونِ بیخودی کے ساز و ساماں دیکھنے والے
بڑی حسرت ہیں ہیں میرا گریباں دیکھنے والے

تمھاری زُلف کی اُلجھن میں پھنسکر نیند کھو بیٹھے
کبھی سوتے نہیں خوابِ پریشاں دیکھنے والے

ابھی ٹھہریگا سوزِ غم ابھی یہ زخم لَو دینگے
ذرا ٹھہریں مرے دل کا چراغاں دیکھنے والے

مری ٹھہری ہوئی دنیا میں ہلچل سی مچا ڈالی
دبے پاؤں چلیں گورِ غریباں دیکھنے والے

کہیں سوتی ہوئی دنیا نہ پائے مال ہو جائے
ذرا آہستہ اے گورِ غریباں دیکھنے والے

اُٹھائینگے نہ ای نخشب کبھی نظریں سوئے جنّت
تصوّر میں بہارِ کوئے جاناں دیکھنے والے

کبھی تم نے بھی یہ سوچا کہ ہم فریاد کیا کرتے
تمہارا دل دکھا کر اپنے دل کو شاد کیا کرتے

مری بربادیوں پر ہنسنے والو یہ تو سمجھا دو
جو مل جاتا تمھیں کو یہ دلِ برباد کیا کرتے

نگاہِ یاس میں جب نالۂ خاموش پنہاں ہے
تو پھر ہونٹھوں کو ہم شرمندۂ فریاد کیا کرتے

دمِ آخر بھی اے دل خود فریبی ہچکیاں کیسی
جو دانستہ بھلا بیٹھے وہ تجھکو یاد کیا کرتے

مجھے دیکھا تو ہر اک نے اُنھیں جلّاد ٹھہرایا
اُنھیں دیکھا تو بولے یہ بھلا بیداد کیا کرتے

زمانہ جانتا ہی حضرتِ نخشبؔ کی خودداری
خلافِ عقل ہے وہ آرزوئے داد کیا کرتے

دھوکے پہ دھوکا کھائے جا عشق کو سادہ کار کر
حُسن کے دل میں گھر بنا حُسن پر اعتبار کر

خوئے جفا پرست کو اور تو استوار کر
قلب کو مضطرب بنا روح کو بے قرار کر

مجھ سے نہ یوں نظر بچا غیر کو وہم میں نہ ڈال
راز ابھی تو راز ہے اِس کو نہ آشکار کر

قلبِ فریب خوردہ سُن، وعدہ غلط سہی مگر
فطرتِ عشق ہے یہی اِس پہ بھی اعتبار کر

دیدہ و دل نے متّفق ہو کے مٹا دی کائنات
اور جہانِ عشق میں اپنوں کا اعتبار کر

مختشب خام کار کی باتیں بھی آپ نے سُنیں
آیا ہو جیسے عرش پر عمر کے دن گزار کر

ابھی تو ربط کے آثار پائے جاتے ہیں
خیال ہی میں سہی پر وہ آئے جاتے ہیں

جو کیف بنکے زمانے پہ چھائے جاتے ہیں
وہ گیت سازِ رگِ جاں پہ گائے جاتے ہیں

فریبِ عشق پہ ہنستے ہیں جو وہ کیا جانیں
یہ دھوکے سوچ سمجھکر ہی کھائے جاتے ہیں

ابھی امید ہے ایفائے عہد کی مجھکو
ابھی سے تارے یہ کیوں جھلملائے جاتے ہیں

وہ آئے ہیں نہ کبھی آئیں گے یقیں ہے مگر
ہم اپنی بزمِ تصوّر سجائے جاتے ہیں

حریمِ ناز ہے یہ جلوہ گاہِ طور نہیں
یہاں نظر نہیں دل آزمائے جاتے ہیں

وہ کہتے ہیں مرے اشعار سُنکر اے نخشبؔ
غزل کی آڑ میں شکوے سُنائے جاتے ہیں

حُسنِ تمام ازل سے بقیدِ مکاں نہیں
کس کو خبر ہے اب وہ کہاں ہے کہاں نہیں

دھوکہ ہے التفات کوئی مہرباں نہیں
یہ سوءِ ظن، یہ وہمِ دلِ بدگُماں نہیں

یہ بھی درست ہے کہ نہیں رازِ رازِ دل
یہ بھی بجا ہے کوئی مرا رازداں نہیں

مُبہم نہ کس لیے ہو محبت کی داستاں
جب دل زباں کے ساتھ شریکِ بیاں نہیں

بے وجہ برہمی کا تری کیا گِلا کروں!
کیا مجھ کو اعترافِ غمِ ناگہاں نہیں؟

اکثر درِ حبیب سے یوں بھی گذر گئے
جیسے نیاز نازکشِ آستاں نہیں

مُختسب کھٹک رہی ہے مرے دلمیں بار بار
وہ شرمگیں نظر جو ابھی جزوِ جاں نہیں

امتیازِ حُسن و اُلفت آشکارا ہو گیا
تم نہ میرے ہو سکے اور میں تمھارا ہو گیا

جانے کیا دل کو محبّت میں سہارا ہو گیا
یا خوشی بھی بار تھی یا غم گوارا ہو گیا

میں کہاں اور جرأتِ عرضِ نیازِ دل کہاں
ہاں مگر تیرا ہی در پردہ اشارا ہو گیا

کیا محبّت درحقیقت ہے محبّت کا جواب
تم بھی ہو جاؤ گے اُس کے جو تمھارا ہو گیا؟

قلبِ جرأت آزما کچھ فطرتاً بیباک ہے
اور اگر ایسے میں تیرا بھی اشارا ہو گیا

شدّتِ غم اور پھر تاکیدِ ضبطِ آہ بھی
لیکن اِک مجبورِ اُلفت کو گوارا ہو گیا

اب تو ہر اک بات پر آنکھوں میں بھر آتے ہیں اشک
چار دن میں حال کیا نخشب تمھارا ہو گیا

وفورِ سجدہ ہے اور آستاں نہیں معلوم
کہیں جبیں ہی نہ ہو درمیاں نہیں معلوم

یہ راز کیا ہے تجھے او بدگماں نہیں معلوم
تری نظر ہے مری ترجماں نہیں معلوم

خدا کی شان وہ ہنستے ہیں میری اُلفت پر
جنھیں مذاقِ نگاہ و زباں نہیں معلوم

مری دعائے سحر ہو کہ آہِ نیم شبی
نفس نفس ہے ترا راز داں نہیں معلوم

تری نگاہ تو محتاط ہو چکی کب کی!
یہ اور کون ہے دامن کشاں نہیں معلوم

خلش نواز نظر آشنائے دل ہے مگر
ہنوز لذتِ دردِ نہاں نہیں معلوم

میں کوئے دوست سے گزرا تو تھا مگر نخشب
کہاں ٹھہر گئی عمرِ رواں نہیں معلوم

مرے دل پر ہی کیا پھر جان پر مشکل نہ بن جائے
محبت کا محبت ہی اگر حاصل نہ بن جائے

تلوّن حُسن کی اِک امتیازی شان ہوتی ہے
تری توہین ہے یہ عزم مزاجِ دل نہ بن جائے

ہر اِک ٹھوکر ہر اِک لغزش پہ آنکھیں کھلتی جاتی ہیں
غبارِ آرزو سدِّ رہِ منزل نہ بن جائے

میں اپنی زندگانی کو یونہی برباد رکھوں گا
کہ جب تک تو ہی میری زیست کا حاصل نہ بن جائے

یہاں تک احتیاطِ شوق برتی ہے کہ اب ڈر ہے
یہ بیگانہ روی غمّازِ رازِ دل نہ بن جائے

کرم بھی احتیاطاً حال پر میرے روا رکھیے
کہ افسانہ مرا رودادِ مستقبل نہ بن جائے

تقاضائے جمالِ دوست اِک توہین ہے نخشب
نظر جب تک مذاقِ دید کے قابل نہ بن جائے

وعدے کا اعتبار تو ہے واقعی مجھے
یہ اور بات ہے کہ ہنسی آ گئی مجھے

لائی ہے کس مقام پہ وارفتگی مجھے
محسوس ہو رہی ہے اب اپنی کمی مجھے

سمجھے ہیں وہ جنوں تو جنوں ہی سہی مجھے
دانستہ اب بدلنی پڑی زندگی مجھے

جلووں کی روشنی میں جو کھویا تھا پا گیا
تم سے نظر ملی تو محبّت ملی مجھے

ماحول سازگارِ مزاجِ وفا نہ تھا
دنیا سے بچ کے اُن کی نظر دیکھتی مجھے

یوں ربط و ضبطِ شوق بڑھایا بطرزِ نو
جیسے کہ پہلے ان سے محبت نہ تھی مجھے

نخشب مٹایا جس نے وفاؤں کی آڑ میں
اُس بے وفا سے پھر بھی محبت رہی مجھے

وہ کون ہے جو ہلاکِ نگاہِ ناز نہیں
میں کچھ نہیں ہوں اگر چشمِ امتیاز نہیں
کمالِ عشق میں بھی لذّتِ مجاز نہیں
تڑپ رہا ہوں مگر دل میں سوز و ساز نہیں
تو کیوں وہ گرمیِ محفل وہ دلکشی نہ رہی
نیاز مند اگر جانِ بزمِ ناز نہیں
خلش کے ساتھ تڑپ ہے تڑپ کے ساتھ خلش
ہمارے ظاہر و باطن میں امتیاز نہیں
یہ وہ کہے جو ضمیروں کا پڑھنے والا ہے
طلب نہیں ہے جو دستِ طلب دراز نہیں
ابھی کرم میں یقیناً ستم بھی شامل ہے
کہ دل مآلِ محبت سے بے نیاز نہیں
پڑا ہے اُن سے محبت کا واسطہ نخشب
کہ جن کو عشق و ہوس میں کچھ امتیاز نہیں

کیا جلد ان کی پہلی نظر کام کر گئی
دل پر اُدھر پڑی کہ اِدھر کام کر گئی

بڑھتی رہی خلش مجھے احساس بھی رہا
اُلفت بقیدِ ہوش و خبر کام کر گئی

اُن کا بھی راز راز ہے میں بھی ہوں مطمئن
کیا کیا اِک احتیاطِ نظر کام کر گئی

وہ تو شریکِ جلوہ گہِ ناز ہو چکا
جس پر ادائے پردہ در کام کر گئی

محرومیوں میں لُطف کے دن بھی تو آ گئے
آہِ شب و دعائے سحر کام کر گئی

دل جاذبِ جمال پھر اِک حُسن کارگر
یوں سرسری نظر تھی مگر کام کر گئی

مخشب مآلِ گریۂ پیہم کرم ہوا
یا سادگیِ دیدۂ تر کام کر گئی

وجودِ درد رہتا ہے کوئی صورت ہو درماں کی
کہ ترکِ آرزو پر بھی خلش باقی ہے ارماں کی

تمنا اور تمنا بھی سکونِ دردِ ہجراں کی
بھلا تعبیر کیا ہوتی تھی اِک خوابِ پریشاں کی

دلِ بیباک ضبطِ شوق کا پہلے نہ قائل تھا
محبّت اصل میں فطرت بدل دیتی ہے انساں کی

زمانہ کچھ کہے مجھ کو زمانے سے غرض کیا ہے
ذرا تم بھی تو سوچو میں نے کیوں حالت پریشاں کی

حقیقت میں تمھیں کچھ مجھ سے ضد سی ہو گئی ورنہ
کبھی کافر کے مُنہ سے بھی نکل جاتی ہے ایماں کی

خدا جانے جنونِ شوق کا انجام کیا ہو گا
اگر اُن تک خبر پہنچی مرے حالِ پریشاں کی

اگر قلبِ جنوں مشرب شریکِ حال ہو مختشب
تو ہم سے ہو چکیں پابندیاں آدابِ زنداں کی

محبت میں جنوں کی حد کا کس کو ہوش رہتا ہے
مگر ہاں کچھ دنوں سے سر وبالِ دوش رہتا ہے
کوئی دانستہ اُن کے روبرو خاموش رہتا ہے
وہ جب تک سامنے رہتے ہیں کس کو ہوش رہتا ہے
جمالِ یار چشمِ شوق سے روپوش رہتا ہے
مگر دل ہے کہ اس پر بھی خرابِ ہوش رہتا ہے
کوئی ان کو سمجھ بھی لے تو پھر سمجھا نہیں سکتا
جو اس حد پر پہنچ جاتا ہے وہ خاموش رہتا ہے
مقامِ بیخودی عینِ حریمِ ناز ہے شاید
اُسی کو وہ نظر آتے ہیں جو بیہوش رہتا ہے
ازل ہی سے ہے تحریکِ جنوں پر حُسن آمادہ
کہ ہر گُل فطرتاً کھولے ہوئے آغوش رہتا ہے
مقامِ عشق زیرِ نخشب کہاں یہ ظاہری باتیں
نہ میں بیہوش رہتا ہوں نہ مجھ کو ہوش رہتا ہے

مجھے آج تسکین دی جا رہی ہے
زمانے کی گردش رُکی جا رہی ہے

ترے در سے اُٹھ کر کمی پا رہا ہوں
خدا جانے کیا شے رہی جا رہی ہے

مرا دل ہی تنہا نہیں بیٹھا جاتا
تمھاری نظر بھی جُھکی جا رہی ہے

ہماری ہی روداد عنواں بدل کر
ہمارے ہی مُنہ پر کہی جا رہی ہے

جہاں تک بھی حُسنِ ازل کی حدیں ہیں
وہیں تک مری آہ بھی جا رہی ہے

مؤثر تھا اِتنا فریبِ محبّت
ہر اک شے نظر سے گری جا رہی ہے

وہ ہر چند ہیں روبرو میرے مخشب
طبیعت مگر کچھ بجھی جا رہی ہے

وہ جلوہ جس قدر نزدیک تر ہو دور ہو جائے
اگر دل میں سمائے آنکھ سے مستور ہو جائے
اگر حُسنِ نظر پہ عشق بھی مغرور ہو جائے
تو اک دن حُسن بڑھ کر عشق سے مجبور ہو جائے
یقیناً اُن کو دشتِ بیخودی میں ڈھونڈ لیتا ہے
مگر انسان جب اپنے سے کوسوں دور ہو جائے
تغافل کی جلو میں التفاتِ خاص ہوتا ہے
وہ جس کو مے نہ دیں وہ بے پیئے مخمور ہو جائے
محبّت کی حدوں میں آ گیا بس یوں سمجھ لیجے!
جہاں بھی دل کے ہاتھوں آدمی مجبور ہو جائے
یہ دُنیا ایک عکسِ جلوہ گاہِ حُسنِ مخفی ہے
اگر پردے نہ ہوں یہ بزم جل کر طور ہو جائے
کسی صورت سے مخنتشب دلکو یکسوئی تو حاصل ہو
وہ جلوہ عادتاً کیوں فطرتاً مستور ہو جائے

نگاہِ حُسن کے معصوم جلوے کارگر نکلے
فقط ہیں کیا دو عالم اس کے مجروحِ نظر نکلے

فریبِ خوابِ ہستی کے وہ لمحے معتبر نکلے
مری ویراں نظر کے آپ جب حدِّ نظر نکلے

وہ تصویرِ سکوں بن کر فضا میں بیشتر نکلے
مگر ہم اپنی محویت میں اُن سے بے خبر نکلے

بنا دیتی ہے گہرا نقش لوحِ قلبِ عالم پر
وہ آہِ نیم شب جو خونِ دل میں ڈوب کر نکلے

کرم آمیز نظروں نے عجب نشو و نما بخشی
ہوئے اُتنے ہی پیدا دل میں ارماں جس قدر نکلے

فضا میں اور کچھ ترمیم ہو جاتی تو اچّھا تھا
کہ دل بجھنے لگا جس دم ستارے چرخ پر نکلے

محبت ارتباطِ باہمی کا نام ہے بخشؔ
مگر دُنیا میں یہ معنی بعنوانِ دِگر نکلے

الم کی زندگانی میں سکونِ دل تو کیا ہوگا
محبت حاصلِ غم ہے غمِ حاصل تو کیا ہوگا

اگر یوں ہی برابر ہر جفا پر داد دی میں نے
انھیں ایسے میں احساسِ شکستِ دل تو کیا ہوگا

حضوری میں تو دوری سے زیادہ دل دھڑکتا ہے
کسی صورت سے حل ہو بھی گئی مشکل تو کیا ہوگا

تلاشِ دوست میں جس دل کو ہوگا خوفِ ناکامی
وہ خود کھو جائے گا آسودۂ منزل تو کیا ہوگا

اشارہ کیا محبت کی تو نظریں بھی نہیں چھپتیں
ہمارا رازِ دل محفل میں رازِ دل تو کیا ہوگا

جو بھولے سے بھی اِک دن خواب تک میں بھی نہ دھڑکا ہو
وہ دل پھر آشنائے اضطرابِ دل تو کیا ہوگا

جُدائی میں بھی اس ڈر سے کوئی لغزش نہیں ہوتی
سمجھتا ہوں وہ میرے حال سے غافل تو کیا ہوگا

محبّت میں ابھی سے جس کا ایسا حال ہے نخشب
ذرا سوچو تو ایسے دل کا مستقبل تو کیا ہو گا

اُس وقت تک نہیں ہے کچھ لُطف آرزو میں
رنگِ شکست جب تک جھلکے نہ جستجو میں

چھو رہی ہے نرم رو جھونکوں سے پانی کو نسیم
اِس طرح آغوش میں لہروں کے کھلتے ہیں کنول
جیسے اک دوشیزہ کے سہیلیوں کی چھیڑ سے
ضبط کرتے کرتے بھی پڑ جاتے ہیں ماتھے پہ بل

غنیمت ہے وہ رسمًا ہی ملے بیمارِ ہجراں سے
کہ یہ دستور بھی اب اُٹھ رہا ہی بزمِ امکاں سے
ارادہ ہے کہ ہم جلووں کو دیکھیں چشمِ حیراں سے
تمھارے نام پر ٹکرائینگے کشتی کو طوفاں سے
مرا دل خون ہوکر بہ رہا ہے چشمِ گریاں سے
یہ دھبّہ حشر تک اب کیا چھٹیگا انکے داماں سے
نیاز و ناز کی تصویر کوئی کھینچ لے اُس دم
چھڑائیں گے وہ داماں اور میں لپٹوں گا داماں سے
نہ ہونے دی ندامت حشر میں غارت گرِ دل کو
سنائی داستانِ درد و غم قسمت کے عنواں سے
دلِ بیتاب کی آنکھوں میں اِک تصویر کھنچ آئی
ابھی اِک اشک تھرّا کر گرا ہے نوکِ مژگاں سے
ابھی ان کی نظر میری نظر سے مل کے پلٹی ہے
یہ کس نے دفعتًا اِک تیر سا کھینچا رگِ جاں سے

کچھ ایسے مطمئن بیٹھے ہیں راہِ دوست میں نخشب
کہ جیسے خوب واقف ہوں ہم اپنے دل کے درماں سے

جلوے نگاہِ شوق سے ٹکرا کے رہ گئے
یوں سامنے وہ آئے کہ شرما کے رہ گئے
دل کا ہجومِ یاس میں عالم نہ پوچھیے
کیا کیا خیال ذہن میں آ کے رہ گئے

محبّت میں ہمیں یہ آخری صدمہ اُٹھانا ہے
جسے دل یاد کرتا ہے اُسے دل سے بُھلانا ہے

یونہی تیری طرح بیٹھے بٹھائے روٹھ جانا ہے
ہمیں دل آزما اِک دن تجھے بھی آزمانا ہے

تمھیں مجھ سے محبّت! مجھ کو دیوانہ بنانا ہے
یہاں ہر رنگ چلتا ہے یہ دنیا ہے زمانا ہے

جو تم ہوتے تو اچّھا تھا کہ دل مانوس ہے تم سے
مجھے اب دل سے ہٹکر مرکزِ ہستی بنانا ہے

بہت گنجائشیں رکھیں نتیجہ پھر یہی نکلا
کہ تم کو مہرباں کہنا حقیقت کو چھپانا ہے

محبّت ہی نہیں جس میں کوئی قید و تعین ہو
تمھیں مجبوریاں مانع ہیں دھوکا ہے بہانا ہے

مری روداد غم اِس کش مکش میں ہو گئی مُبہم
میں کہتا تھا حقیقت ہے وہ کہتے تھے فسانا ہے

جہاں کوئی نہیں ہے احترامِ عشق سے واقف
تمہیں نخشبؔ ابھی کیا پھر اُسی محفل میں جانا ہے

میں ہوں بیتاب تو مجھ سے تمہیں شکوہ کیا ہے
لغزشِ حضرتِ آدم ہے یہ دُنیا کیا ہے
اپنے الفاظ کی تکمیل نہ کرنے والے
یہ اگر شانِ تغافل ہے تو دھوکا کیا ہے

کیوں نہ ہوں آخر مزاجِ حُسن سے بیگانہ ہم
آپ اِک رازِ مکمّل اور اِک افسانہ ہم

چاہتے ہیں یہ۔ مدد اے جرأتِ رندانہ ہم
ڈال دیں آنکھوں میں آنکھیں ان کی بیباکانہ ہم

یک بیک آجاتا ہے مے ریز آنکھوں کا خیال
چھوڑ دیتے ہیں لبوں تک لا کے یوں پیمانہ ہم

معترض دیکھیں کہ ہوتی ہے حقیقت بے نقاب
اب اُٹھاتے ہیں حجابِ جلوۂ جانانہ ہم

چاہتے ہیں آپ کے جلووں کی دل میں روشنی
کیا جلا سکتے نہیں ورنہ چراغِ خانہ ہم

کر رہے ہیں یوں کمی محسوس اُن کے رُوبرو
جیسے کھو بیٹھے خیالِ جرأتِ رندانہ ہم

مصلحت مانع ہے ورنہ چیز کیا ہے رعبِ حُسن
کہہ تو سکتے ہیں مگر کہتے نہیں افسانہ ہم

وہ نہیں ملتے تو بخشیں کاش یہ امکاں ہیں ہو
ترک ہی کر دیں خیالِ جلوۂ جانانہ ہم

ہے مسلسل بوندوں پہ موتی کی لڑیوں کا گماں
جھلملاتی ہے فضا میں دور اک بجلی کہیں

یہ سماں ایسا ہے اک محوِ خیالِ یار کو
مسکرائے جس طرح چلمن سے کوئی نازنیں

تغافل بھی تو استغنا میں شامل ہوتا جاتا ہے
یہ آخر کیا ہے کیا اب رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

یہاں تک ربطِ حُسن وعشق کامل ہوتا جاتا ہے
مرا دل بھی ترے جلووں میں شامل ہوتا جاتا ہے

کچھ ایسا ہجر میں بھی مُطمئن دل ہوتا جاتا ہے
کہ جیسے تو ہی رفتہ رفتہ حاصل ہوتا جاتا ہے

کبھی ان کے لئے بھی جینا پڑتا ہے بمجبوری
وہی منزل ہے شاید مرنا مشکل ہوتا جاتا ہے

نگاہیں عام مرکز سے بہت آگے نکل آئیں
کہ ہر منظر جہاں کا خواب باطل ہوتا جاتا ہے

یہ شانِ عزمِ راسخ ہے حوادث کیا ہیں طوفاں کیا
جدھر نظریں اُٹھا دیتا ہوں ساحل ہوتا جاتا ہے

محبّت ارتقائی منزلوں میں آگئی شاید
جفاؤں کا مری احساس باطل ہوتا جاتا ہے

یہی تو جستجو و آرزو کی موت ہے نخشب
مرا ذوقِ طلب ممنونِ منزل ہوتا جاتا ہے

معاذ اللہ اک حسنِ پشیماں کی یہ تادیبیں
کسی نے زندگی سمجھا کوئی سمجھا قضا آئی!

برابر ہے جدھر دیکھو جنوں کی کار فرمائی
کوئی محوِ تماشا ہے کوئی محوِ تماشائی

بخشا شرف یہ مجھ کو دلِ داغدار نے
قدموں پہ میرے سر کو جھکایا بہار نے

کر لیتا ہوں میں اپنے پرائے میں امتیاز
نقّاد کر دیا ستمِ روزگار نے

تم ہو تو ہے بہار کرم پر تُلی ہوئی!
جب تم نہ تھے تو ظلم کئے تھے بہار نے

یہ جانتا ہوں ضبط سے لینا تھا مجھ کو کام
مجبور کر دیا دلِ بے اختیار نے

ہچکی دمِ اخیر کی افسانہ بن گئی
اِس داستاں کو طول دیا اختصار نے

دھڑکن سے دل کی ایسی کھُلی آنکھ خواب سے
جیسے کہ آئے ہوں وہی مجھ کو پکار نے

پھر مجھ کو اُن کے وعدۂ فردا کا ہے یقیں
دُنیا بسائی پھر دلِ زود اعتبار نے

نخشب کچھ ایسے جامے سے باہر ہوئے ہیں پھول
جیسے اُنھیں کو دیکھ لیا ہو بہار نے

ڈھل چلی شب کی جوانی آ چلا وقتِ سحر
چھا رہا ہے رات کی تاریک پیشانی پہ نور
یہ سماں اِس وقت یوں محسوس ہوتا ہے مجھے
جیسے اِک بدکار کے سینے میں نیکی کا ظہور

کیوں آنکھ مضطرب ہے جو دل پاکباز ہے
شاید مزاجِ عشق میں خوئے مجاز ہے
کیا اب بھی حُسن وعشق میں کچھ امتیاز ہے
میری جو رُوح میں ہے وہ تیرا ہی راز ہے
برقِ نگاہِ ناز حریفِ نیاز ہے
ان کا لگاؤ لاگ کے پردے میں راز ہے
دل میں کہاں سمائے کسی کا جمال وحُسن
آئینہ کی نگاہ میں آئینہ ساز ہے
مجھ کو بھی اب یقیں ہے کہ ہستی ہے بے ثبات
برہم نگاہ آپ کی تفصیلِ راز ہے
گھر سے تلاشِ دوست میں یہ کہکے چل دیا
وہ مل ہی جائیں گے کہ خدا کارساز ہے
ایسی برت رہا ہوں میں باتوں میں احتیاط
جیسے کہ میرا رازِ محبت بھی راز ہے

نخشب میں بچ کے چلتا ہوں فرسودہ راہ سے
میرا مذاقِ شاعری جدت طراز ہے

یونہی بے حس مفلس و نادار کی فریاد پر
پُرشکن ہو جائے غصہ میں جبینِ شہریار

پی رہا ہے سینۂ گیتی شعاعِ مہر سے
ہے فلک کا آئینہ آلودۂ گرد و غبار

مکمل کر رہا ہوں دل کی بربادی کے ساماں کو
دعائیں دے رہا ہوں جان کر اک دشمنِ جاں کو

یونہی لہرانے دو رُخ پر ذرا زلفِ پریشاں کو
اگر بدلے بدلنے دو نظامِ بزمِ امکاں کو

بس اتنی دیر تم یہ روشنیٔ حُسن رہنے دو
کہ میں ترتیب دے لوں دل کے اجزائے پریشاں کو

نگاہیں پھیر لے دل سے رسیلی انکھڑیوں والے
یہ نظریں پھر جگا دیں گی مرے خوابیدہ ارماں کو

نہ تھے جب تک خس و خاشاک گلشن میں اندھیرا تھا
یہ تنکے کھینچ لائے آسماں سے برقِ سوزاں کو

نظر میں وسعتیں، تلووں میں کانٹے، خاک بالوں میں
ترا دیوانہ اپنے ساتھ لے آیا بیاباں کو

مری فطرت کو تو نے مستقل بے چینیاں دیدیں
ارے او بھولنے والے بُھلا کر عہد و پیماں کو

چھپائیں کتنا ہی نخشبؔ اُسے دل میں مگر پھر بھی
وہ نظریں گُدگُدا کر پوچھ لیں گی رازِ پنہاں کو

ٹوٹتا جاتا ہے رہ رہ کر طلسمِ رنگ و بُو
کون سا عالم ہے اب جانیں ترے بیمار پر
یوں رواں ہے لوحِ دل پر زندگانی کا خیال
جیسے دھندلی چاندنی گرتی ہوئی دیوار پر

پہلو نشیں پھر آج وہ رنگیں ادا ہوا
اپنے مقام پر ہے زمانہ رُکا ہوا

دُنیا کے واسطے ہوں تماشہ بنا ہوا
کیا اب بھی مجھ سے فرضِ محبت ادا ہوا

بزمِ ازل کجا - چمنِ رنگ و بو کجا
آیا تجھے کہاں سے کہاں ڈھونڈتا ہوا

طولِ فراق مصلحتِ حُسن ہی سہی
اب اس کا ذکر چھوڑئیے جو کچھ ہوا ہوا

تجدید عہد اور یہ بے وجہ اضطراب
پھر سے بھڑک اُٹھا وہی شعلہ دبا ہوا

جب تک وہ دیکھتے رہے تسکین سی رہی
اُن کی نظر ہٹی تھی کہ پھر درد سا ہوا

بیٹھا میں بزمِ ناز کے انداز دیکھ کر
اُٹھا بس ایک اُن کی نظر دیکھتا ہوا

ہوش و حواس صرفِ نظارہ ہوئے تو کیا
یہ بھی تو کم نہیں کہ ترا سامنا ہوا
نخشب! وہ عہدِ رفتہ کی سرمستیاں کہاں
وہ دن ہوا ہوئے وہ زمانہ ہوا ہوا

دل میں اوّل تو تمنا کی یاد آتی ہی نہیں
اور بھولے سے کبھی وہ آ بھی جاتی ہے اگر
اس طرح کچھ نقش اس کا دیرپا ہوتا نہیں
جیسے چلتی ریل سے ویران مسجد پر نظر

زباں پر اصل میں کب درد و غم کی داستاں آئی
خیالِ شکوہ آتے ہی محبت درمیاں آئی

نیازِ عشق نازِ حُسن ہی کا ایک پرتو ہے
تمھیں یہ راز سمجھانے کی نوبت ہی کہاں آئی

جسے احساس تک ہوتا نہیں ویرانیِ دل کا
وہ چشمِ خود نما میری کہاں سے رازداں آئی

حضورِ دوست کوئی شکوہ بے جا تو کیا معنی
حدیثِ شکر بن کر آئی جب لب تک فغاں آئی

یہ مانا حسن و الفت لازم و ملزوم ہیں دونوں
مگر اب تک سمجھ میں کچھ نہ وجہِ امتحاں آئی

بہت تھا ناز ہم کو اہتمامِ دیدہ و دل پر
نگاہِ فتنہ زا پردے سے باہر ناگہاں آئی

وفا راہِ حقیقت ہے مگر اب اس کو کیا کہئے
قدم آگے بڑھاتے ہی حدِ وہم و گماں آئی

جسے تنہا دلِ مجبور بھی محسوس کرتا ہے
کچھ ایسی گفتگو بھی میرے اُن کے درمیاں آئی
خیالِ ترکِ اُلفت دل میں آنے ہی کو تھا نخشب
سلامِ آخری کرنے حیاتِ جاوداں آئی

ہے چراغاں جگنوؤں سے جھاڑیوں میں اس طرح
جیسے بے ترتیب روشن ہوں دیوالی کے چراغ

ہو جس کی خُنکی مزاجِ اہلِ دل کی رازداں
اُبھری دل کی چوٹ اور دکھنے لگے سینے کے داغ

ایسے میں کریں اپنے پرائے کا گِلا کیا
اک سانس کا پردہ ہے فنا کیا ہی بقا کیا

اب اُن سے شکایت نہیں اب اُن کا گِلا کیا
اپنا ہی پتہ اُن کو نہیں میرا پتا کیا

اِس پر بھی کیئے جاتے ہیں ہم اُن سے وفائیں
یہ جانتے ہیں ہوتا ہے انجامِ وفا کیا

جب سے کہ گزاری ہے تڑپ کر شبِ ہجراں
یہ مِٹ سا گیا ذہن سے ہوتی ہے دوا کیا

کیا سمجھے کوئی شوق کے لمحوں کی نزاکت
یہ راز ہے اس راز کا ہر اک کو پتا کیا

یہ حُسن کی تعظیم سے ہے جُھک جائیں نگاہیں
ورنہ ترے جلووں کا مجھے ہوش نہ تھا کیا

کیا حُسن میں شامل ہی نہیں عشق کے پہلو
اب تک یہ بتا دو کہ میں دھوکے میں رہا کیا

یہ طعن ہے لو چھپ نہ سکا رازِ محبت
تم نے بھی تو جلوے کو چھپایا تھا چھپا کیا؟
اب کوئی زمانے میں وفادار نہیں ہے
نخشب ہی کے ہمراہ گئی شانِ وفا کیا

دھیمی دھیمی آ رہی ہیں کچھ صدائیں کان میں
بج رہی ہیں دُور وادی میں کہیں شہنائیاں
آ رہا ہے اس طرح سے ان کا دُھندلا سا خیال
ہلکی ہلکی چاندنی میں جس طرح پرچھائیاں

وہ کہیں دستیاب ہوتا ہے
خواب آخر کو خواب ہوتا ہے

روبرو جب شباب ہوتا ہے
غم میں کیفِ شراب ہوتا ہے

دل جو ناکامیاب ہوتا ہے
ہر نفس اِک عذاب ہوتا ہے

گو فریبِ نگاہ و دل ہی بھی
انقلاب انقلاب ہوتا ہے

ان کا ہلکا سا اِک تبسّم بھی
ہر ستم کا جواب ہوتا ہے

ہاں ابھی ہے نمودِ رنگِ حیات
ہاں ابھی اضطراب ہوتا ہے

درحقیقت جو صدقِ دل سے ہو
وہ گنہ بھی ثواب ہوتا ہے

جس کو جُز دل کوئی سمجھ نہ سکے
یوں ہی اکثر خطاب ہوتا ہے
تیرا ایما اگر نہ ہو شامل
کون خانہ خراب ہوتا ہے
دل کا سمجھانا ہے فقط نخشب
اُن میں کب انقلاب ہوتا ہے

عالم تمام جلوہ گہِ حُسنِ ذات ہے
وہ مل گئے تو کیا یہ تعجّب کی بات ہے

نظر ملنے سے پہلے ہی جُھکا لیتے ہیں نظروں کو
اُنھیں جب راز کوئی مجھ کو سمجھانا نہیں ہوتا

کوئی کس طرح رازِ اُلفت چھپائے
نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے
وہ مجبوریوں پہ مری مُسکرائے
یہاں تک تو پہنچے یہاں تک تو آئے
محبت میں کچھ اتفاقات بھی تھے
کہ جو میری تقدیر بننے نہ پائے
زمانے کے جَور و سِتم توبہ - توبہ
کہ اکثر تو مجھکو نہ تم یاد آئے
وہ اس طرح میرے برابر سے گذرے
ادائیں سنبھالے۔ نگاہیں جُھکائے
ترے روبرو گر نظر مطمئن ہو
تو سینے میں دل بھی دھڑکنے نہ پائے
یہ عالم بھی گزرا تری انجمن میں
نہ اُٹھا ہی جائے نہ بیٹھا ہی جائے

ترا غم بھلا کیا چھپائے سے چھپتا
بہت اشک رو کے بہت مُسکرائے

میں اس احتیاطِ نظر کے تصدّق
نہ بیگانہ سمجھے نہ اپنا بنائے

یہی تو جوابِ شکایت تھا مخشب
مرے شعر اس نے مجھی کو سُنائے

ترِی صورت ترا جلوہ تو دیکھا ہے مگر یونہی
کہ جیسے سونے والا خواب میں بیدار ہو جائے

روکنے سے بھی کہیں رُکتا ہے جب آتا ہے دل
اِس طرف ملتی ہیں نظریں اُس طرف جاتا ہے دل

وہ دل کو ظرفِ حسن گریزاں نہ کر سکے
جو غم خوشی کی طرح نمایاں نہ کر سکے

اِس طرح پیشِ دوست رکھیں اپنی مشکلیں
جیسے کہ وہ بھی چاہے تو آساں نہ کر سکے

مجبوریوں کا نام ہی صبر و رضا سہی
اب کیا کہیں کہ حال پریشاں نہ کر سکے

یہ ضوفشاں قمر یہ مے و مطرب و بہار
مجھ کو ترے بغیر غزل خواں نہ کر سکے

اُن کو ندامتیں ہیں تغافل کی آڑ میں
ہم یہ سمجھ رہے ہیں پشیماں نہ کر سکے

یہ بات ایک راز ہے اس کو نہ پوچھئے
ارماں نہ نکلا کوئی ارماں نہ کر سکے

تخلیقِ کائنات پہ مجبور ہو گئے
تم بھی تو ضبط جذبۂ پنہاں نہ کر سکے

محویتوں میں شانِ جنوں چھپ کے رہ گئی
یہ حال تھا کہ حال پریشاں نہ کر سکے

یہ اور بات ہے تجھے منظور ہی نہ ہو
تو اور میرے درد کا درماں نہ کر سکے

نخشَب میں اس سبب سے ہوں محتاط اِس قدر
احسان کرنے والا بھی احساں نہ کر سکے

جذب کر لیتی ہیں نظریں حُسن کی رنگینیاں
جس نے بھولے سے بھی دیکھا وہ اُنھیں دیکھا کیا

وہ بھی اِس کا لُطف لیتے ہیں جب ان کے سامنے
دل کو سمجھاتا ہوں میں اور مجھ کو سمجھاتا ہے دل

خلش دل کی حدودِ دوستی میں آہی جاتی ہے
جہاں محسوس ہوتی تھی وہاں اب پائی جاتی ہے
شکایت بھی کہیں اُلفت میں مُنہ پر لائی جاتی ہے
مدداے ضبطِ غم دل سے زباں شرمائی جاتی ہے
یہ آخر کیوں مری ہر التجا ٹھکرائی جاتی ہے
ابھی شاید کہیں دل میں تمنّا پائی جاتی ہے
یہ کیا کہہ کر طبیعت ہجر میں بہلائی جاتی ہے
فغاں آساں ہے لیکن دور تک رُسوائی جاتی ہے
مجھے اِس کم نگاہی نے تری پامال کر ڈالا
مگر مُجرم وہی پہلی نظر ٹھہرائی جاتی ہے
جھجک کر گفتگو کرنا ہے اپنا راز کہہ دینا
اِسی نازک سے پردے میں تمنّا پائی جاتی ہے
ہر اک ساعت وہی نغمہ ہر اک لمحہ وہی جلوہ
مرے دل پہ محبت ہی محبت چھائی جاتی ہے

غمِ ہستی بجز تمہیدِ عشرت کچھ نہیں ہوتا
سکونِ دل کی خاطر زندگی تڑپائی جاتی ہے

خلافِ مصلحت ہے اُن سے شرحِ آرزو کرنا
طبیعت کب ٹھہرتی ہے مگر ٹھہرائی جاتی ہے

نگاہِ شرمگیں سے ہے نگاہِ اولیں پیدا
کہانی پھر دبے الفاظ میں دُہرائی جاتی ہے

رُلائے گا یہ منظر زندگی بھر مجھ کو اے اختر
کہ آج اُن کی بھی آنکھوں میں نمی سی پائی جاتی ہے

اِس جلوۂ رنگیں کے دھوکوں کا اثر تو یہ
ہر منظرِ رنگیں سے بیزار ہوئی آنکھیں

رازِ اُلفت کی جو دُنیا کو خبر ہو جائے گی
زندگی دشوار سے دشوار تر ہو جائے گی

احتیاطِ شوق و ضبطِ آرزو کے باوجود
مجھ پہ جو گزرے گی اُن کو بھی خبر ہو جائے گی

آپ کے دامن سے وابستہ ہے میری زندگی
آپ جس عالم میں چاہیں گے بسر ہو جائے گی

میں سمجھتا ہوں دلِ غم دیدۂ انجام کو
آپ کے ہنستے ہی میری آنکھ تر ہو جائے گی

کون میری سی کہے گا واقعہ یوں ہی سہی
ساری دنیا وہ جدھر ہوں گے اُدھر ہو جائے گی

شکوہ تو کرتا مگر نیچی نظر کا کیا جواب
آہ لب تک آتے آتے بے اثر ہو جائے گی

دل بغیرِ دیدِ جاناں قطرۂ سیماب ہے
اِک بلا ایسے میں تائیدِ نظر ہو جائے گی

دل کی بیتابی ترا رنگِ تغافل دیکھ کر
کون کہتا تھا کہ اپنی بھی بسر ہو جائے گی

اب مری جانب نظر ہے جب میں دیکھوں گا اُدھر
وہ نظر گھبرا کے صرفِ بام و در ہو جائے گی

آپ بخششِ اضطرابِ دل سے کیوں گھبرا گئے
رفتہ رفتہ یہ کڑی منزل بھی سر ہو جائے گی

اُسی مرکز پہ ملتی ہیں حدیں حُسن و محبت کی
جہاں پر امتیازِ دردِ دل دشوار ہو جائے

کس بلا کی ان کی آنکھوں میں کشش ہے دیکھنا
خود بخود ہی میرے سینے سے کھنچا جاتا ہے دل

بے پردہ میرے سامنے آیا نہ جا سکا
اُن سے بھی یہ حجاب اُٹھایا نہ جا سکا
حُسنِ نظارہ سوز دکھایا نہ جا سکا
مجھ کو مری نظر سے گرایا نہ جا سکا
واقف تھے التفات فریبِ جمال ہے
یہ جان کر بھی خود کو بچایا نہ جا سکا
شوق اُن کا خود نما تھا مگر یہ نہ پوچھئے
آئے نہ خود کہ سامنے آیا نہ جا سکا
یہ بھی ہے سچ کہ دیکھ نہ سکتے جمالِ دوست
یہ بھی ہے واقعہ کہ دکھایا نہ جا سکا
یکسوئی شرطِ دید ہے اور ہم سے آج تک
اِک مرکزِ نگاہ بنایا نہ جا سکا
پُوچھا مزاجِ عشق جو نبّاضِ عشق نے
پھر ہم سے کوئی راز چھپایا نہ جا سکا

پلٹی ہے یوں نگاہ حریمِ جمال سے
جیسے کسی کو اپنا بنایا نہ جا سکا
پردے حریمِ حُسن کے جنبش میں آ گئے
جب مجھ سے اضطراب چھپایا نہ جا سکا
اُن کی مری نظر کے تصادم سے قلب پر
جو نقش بن گیا تھا مٹایا نہ جا سکا
نخشبؔ کسی کی آگ میں جل بُجھ کے رہ گئے
لُو کا لگا کچھ ایسا بُجھایا نہ جا سکا

جلوے بھی چھپانے سے کہیں چھپتے ہیں نخشبؔ
وہ پردہ کریں جلوے تو پردہ نہ کریں گے

اشارۃً بھی نہ شکوے بیاں کیئے ہوتے
سیئے تھے ہونٹ تو آنسو بھی پی لئے ہوتے

تمھاری یاد سہارا دیئے رہی ورنہ
جُدائی نے تو قدم ڈگمگا دیئے ہوتے

ہمیں اور اُن سے وفا کی امید خوب کہا
ہم اِس خیال میں رہتے تو مر لئے ہوتے

تمھارے عہد کا پھر بھی کوئی جواب نہ تھا
اگر ہم عمرِ خضر لے کے بھی جیئے ہوتے

نگاہِ شوق کا سارا بھرم گیا ہوتا
جو اِس نے بھول کے پردے اُٹھا دیئے ہوتے

ہمیں کچھ ہوش نہیں یہ تو سچ کہا لیکن
جھجک کے بات نہ کرتے اگر پیئے ہوتے

تمھارے زہد میں نخشبؔ نہ فرق آجاتا
جو وہ بضد تھے تو دو گھونٹ پی لئے ہوتے

حسینؑ

گھر کا ہر اک چراغ بجھا کر امامِ دیں
اسلام کی نمودِ سحر دیکھتے رہے

ایثارِ حسینؑ

چلتے چلتے رُک چکی تھی جبکہ نبضِ کائنات
نوعِ انسانی کی تھی ہر اِک تمنّا بے ثبات
پھیر لی تھی حق نے عالم سے نگاہِ التفات
لے رہی تھی ہچکیوں پر ہچکیاں رُوحِ حیات
سرنگوں مجبوریاں تھیں پائے استبداد پر
مُہرِ تیغِ ظلم تھی چسپاں لبِ فریاد پر
مال و زر کی جگمگاہٹ سے نظر بے کار تھی
آدمیّت کے گلے پر نُقرئی تلوار تھی
راستی مجبُور تھی اور گُمرہی مختار تھی
ہاں مگر اِک رُوح ایسے دَور میں بیدار تھی

جس نے اپنا سر دیا انسانیت کے نام پر
خوں بہا باقی ہے جس کا گردنِ اقوام پر
روبرو جس کے رہا روئے مشیت بے نقاب
جس کے ذرّوں سے چُراتا ہے نگاہیں آفتاب
ہر نفس جس کا امینِ رازِ روحِ انقلاب
جس نے اپنے خون سے چھاپی اخوت کی کتاب
نُور کی بھرپور ضَو پردہ درِ ظلمات ہے
وہ تنِ تنہا حُسینؑ ابنِ علیؑ کی ذات ہے
جس کا چہرہ مشعلِ نورِ ہدایت وہ حسینؑ
جس امامت پر رہی نازاں نبوت وہ حسینؑ
جس کا ہر ہر سانس ہے عینِ عبادت وہ حسینؑ
مُسکرائی دیکھ کر جس کو مشیت وہ حسینؑ
جس نے ظلمِ ناروا کا سر کچل کر رکھ دیا
جان دے کر ایک عالم کو بدل کر رکھ دیا

جس نے فرزندِ جواں کا داغ اُٹھایا وہ حسینؑ
سایۂ شمشیر میں قرآں سُنایا وہ حسینؑ
انتہائے غم میں بھی جو مُسکرایا وہ حسینؑ
جس نے ہٹ کر نوعِ انساں کو بنایا وہ حسینؑ

لے رہا ہے جو خراجِ درد خاص و عام سے
جان میں جان آئی جس کے موت کے پیغام سے

جس نے سینچا خون سے اپنوں کے گلزارِ خلیل
جس کی ذاتِ پاک معیارِ شرافت کی دلیل
ہر نظر میں جس کی ہستی بے مثال و بے عدیل
قلبِ دشمن میں مکیں ہے جس کا اخلاقِ جمیل

نقش ایسا کیا مٹے گا گردشِ افلاک سے
آج تک اک لو نکلتی ہے جبینِ خاک سے

آج بھی خودداریوں کی راہ ناہموار ہے
آج بھی خطرے میں عزم و جذبۂ بیدار ہے

وقت کو ایسی ہی قربانی ابھی درکار ہے
آج تک سُونی مگر جلوہ گہِ ایثار ہے
نقشِ ہستی میں حُسینی رنگ بھرنا چاہیئے
زندگی کی آرزو میں پہلے مرنا چاہیئے

قطعہ

فریبِ دوستی پیستقل گر آئینۂ دل ہے
حقیقت میں زمانے کو سمجھنا بھی تو مشکل ہے

مرے احباب نے بخشی ہے معراجِ انسانی
کہ اب دشمن کی ہمدردی کا مجھ کو فخر حاصل ہے

نخشب

ترکِ رسم و راہ

(ایک شاعر دوست کی ستم ظریفی سے متاثر ہو کر)

دوستی بھی موجدِ بیگانگی پائی گئی
دل میں بے مہری نظر میں برہمی پائی گئی

اِس میں کیا میرے غرورِ عشق پر الزام ہے
تیری جانب سے محبت میں کمی پائی گئی

ظاہرا چشمک تو ہوتی ہے محبت کی دلیل
رُوح کی گہرائی میں برگشتگی پائی گئی

تیرے جلووں سے مرادِ دیدِ نظر تھا فیضیاب
تو نظر آیا جہاں تک روشنی پائی گئی

رفتہ رفتہ تو مری نظروں سے اوجھل ہو گیا
خود ہی پردے پڑ گئے جب تیرگی پائی گئی

جب بھی میں پاتا تھا دنیا میں فقط رسمی خلوص
اس گماں میں اب یقیں کی پختگی پائی گئی

وہ تکلف بارِ رسم و راہ تھا جسکے سبب
انتہائے ربط میں بیگانگی پائی گئی

ہوش والوں سے یہ راہ و رسم نبھ سکتی نہیں
تیرے ہر انداز میں دیوانگی پائی گئی

یوں کمی دنیا کے ہر انساں میں ہوتی ہے مگر
تجھ میں تو انسانیت کی بھی کمی پائی گئی

ایسے ربط و ضبط سے اے دوست کچھ حاصل نہیں

جس میں قلب و رُوح کی گہرائیاں شامل نہیں

دوستی جانِ حقیقت دوستی اسرار بھی
دوستی تشنہ لبی بھی دوستی سرشار بھی

دوستی گُل کا تبسّم دوستی بستہ کلی
دوستی خوابیدہ بھی ہے دوستی بیدار بھی
دوستی دراصل ہے یکجائیِ مرگ و حیات
دوستی آسان بھی ہے دوستی دشوار بھی
دوستی رنگِ خزاں ہے دوستی حُسنِ بہار
دوستی مجبور بھی ہے دوستی مختار بھی
دوستی نفیِ دل و جاں دوستی اثباتِ زیست
دوستی انکار بھی ہے دوستی اقرار بھی

اس میں اپنے سے سوا رہتا ہے ہمدم کا خیال
دوستی اِک کیف بھی ہے دوستی آزار بھی
سعیِ لاحاصل ہے گا ہے حاصلِ کون و مکاں
دوستی بیکار بھی ہے دوستی باکار بھی
خود فراموشی یہاں دراصل عینِ ہوش ہے
دوستی مدہوش بھی ہے دوستی ہشیار بھی

دوست کی مرضی پہ ہر سانچے میں ڈھل جاتا ہے دوست
دوستی میخوار بھی ہے دوستی دیندار بھی

زندگی میں اپنے قول و فعل کو یکجا بنا
دوستی کو ظاہر و باطن کا آئینہ بنا

ہر گھڑی دل کو کہا کرتا ہوں لیکن کیا کروں
جتنا بہلاتا ہوں میں اُتنا ہی گھبراتا ہے دل

اس قدر تخشب نوازا ہے مجھے احباب نے
دوستی کا نام سُنتا ہے تو تھراتا ہے دل

عیدِ قرباں

عشق تنہا لفظ ہے اور اس کی تفسیریں بہت
یہ وہ دیوانہ ہے جو پہنے گا زنجیریں بہت
آئینہ خانہ میں اِک جلوہ ہی تصویریں بہت
ہوں گی اے خوابِ محبت تیری تعبیریں بہت

اس جہاں کا دونوں عالم سے جُدا انداز ہے
جو وہاں اِک داستاں ہی وہ یہاں اِک راز ہے

جس میں اپنا ہوش باقی ہو محبت ہی نہیں
اس میں فکرِ ماسوا کرنے کی فرصت ہی نہیں
لختِ دل، لختِ جگر کی کوئی قیمت ہی نہیں
دیدہ و دل جسم و جاں کی کچھ حقیقت ہی نہیں

رُخ بدل دیتی اُلفت عالمِ اسباب کا
مرتبہ اِس میں حقیقت سے ہے بڑھکر خواب کا

امتحاں وہ کیا کہ جس میں رُوح گھبراتی رہے
قلب تھرّایا کرے اور آنکھ شرماتی رہے

عزم ایسا ہو محبت ناز فرماتی رہے
پردۂ دل سے صدا لبیک کی آتی رہے

کچھ نہ کچھ تو کام دل کی سادگی آجائے گی
ممتحن کے لب پہ بالآخر ہنسی آجائے گی

عزمِ کامل ہی بدل دیتا ہے خوئے حُسن بھی
سامنے بے پردہ آجائے گا روئے حُسن بھی

عشق کی محتاج ہوگی آرزوئے حُسن بھی
جستجو اپنی کرے گی جستجوئے حُسن بھی

ہاں مگر ہر سانس جذبِ شوق کا حاصل بنے
آنکھ سے جو اشک بھی ٹپکے سراپا دل بنے

خونِ دل سے زینتیں بخشے در و دیوار کو
چشمِ نم سے تازگی دے رُوحِ برگ و بار کو
دل کی ٹھنڈک سے کبھی گرمائے قلبِ یار کو
اس کی مرضی پر سکوں سمجھے ہر اِک آزار کو
نورِ چشمِ دل سے روشن شمعِ ایمانی کرے
باپ اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی کرے
وقت اِس افسانے کی عظمت بھُلا سکتا نہیں
جذبۂ صادق کی تعمیریں گِرا سکتا نہیں
ہر کس و ناکس رموزِ عشق پا سکتا نہیں
کوئی بھی یہ نقش دنیا سے مٹا سکتا نہیں
آشنا جورِ خزاں سے کب بہارِ عشق ہے
عیدِ قرباں کیا ہے نخشؔب یادگارِ عشق ہے

گنگا کے کنارے

بیٹھی تھی ابھی لیلیٔ شبِ زلف بنائے
تھا مہرِ منوّر ابھی چہرے کو چھپائے
دُھندلی نظر آتی تھی ہر اک چیز جہاں کی
دلچسپ نئے حُسن کے منظر نظر آئے
ایسے میں چلی جاتی تھی اِک حُسن کی دیوی
گنگا کی طرف گھاٹ پہ نظروں کو جمائے
قدموں سے نکلتی رہی یوں ریگ کی سلوٹ
جیسے کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹائے
پہنچی جو کنارے پہ عجب ناز سے بیٹھی
بالوں کی گرہ کھول دی اور چھینٹے اُڑائے

وہ زلفِ رسا ریگ کے ذرّوں پہ پڑی تھی
گھنگھور گھٹائیں تھیں ستاروں کو چھپائے
پانی میں تھے اس طرح سے وہ پائے حنائی
جیسے کوئی بھڑکے ہوئے شعلوں کو بجھائے
بکھری ہوئی زلفوں سے صبا کھیل رہی تھی
بیٹھی تھی کنارے پہ وہ گردن کو جھکائے
پانی میں ہوا آ پڑی زلفوں میں اُلجھ کر
دریا کے اس انداز سے ماتھے پہ بل آئے
موجیں ابھی بڑھ بڑھ کے قدم چوم رہی تھیں
آہٹ جو ہوئی چونک گئی بال ہٹائے
مُڑ کر جو نظر کی تو اک انسان کو دیکھا
تھا دامنِ صد چاک میں چہرے کو چھپائے
کہنے لگی تو کون ہے کیا نام ہے تیرا
کیوں پھرتا ہے حال اپنا فقیرانہ بنائے

تب عشق یہ بولا تری اِس بھُول کے صدقے
لاکھوں تری اِس بھُول نے دیوانے بنائے

وعدے کا اعتبار تو ہے واقعی مجھے
یہ اور بات ہے کہ ہنسی آگئی مجھے

غزل

ہم سمجھتے ہیں مگر اور دل کو سمجھاتے نہیں
یہ بہار اضطراب یار اب وہ یاد آتے نہیں
اب اگر مجھ کو نہیں الفت تو پہلے تھی کبھی
آپ پھر کیوں اس بات کی تائید فرماتے نہیں
مدعا تم کو اگر ہم سے شکایت ہے ضرور
ہاتھ سے وہ جنکو سے آہ و دل سے تاب آزماتے نہیں

غالب

لگن

تمھیں میں نے چاہا بڑی چوٹ کھائی
تمھارے ہی کارن ہوئی جگ ہنسائی
کہاں آ گیا میں سہارے سہارے
کہ سدھ تک نہیں جی کو اپنی پرائی

یہ چاہت کی بھی کیسی اُلٹی لگن ہے
مریں تو جئیں اور جئیں تو مرن ہے
چلا جا رہا ہوں میں اک آسرے پر
کہ نگری تو سُندر ہے رستہ کٹھن ہے

اکیلا ہوں رستے میں گھبرا رہا ہوں
بہلتا نہیں جی کو بہلا رہا ہوں
کسی کے اکھاڑے سے کب پاؤں اکھڑے
چلا جا رہا تھا چلا جا رہا ہوں

اکیلے میں کوئی سہارا تو ہوتا
مرا ڈوبتا جی ابھارا تو ہوتا
تمہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھو گیا میں
کہاں ہو کہیں سے پکارا تو ہوتا

تمھارے بِنا چھا رہی ہے اُداسی
بنا روپ کلیوں کا ہے باسی باسی
کہاں تک بھلا اس طرح دن کٹیں گے
کہ جی بھوکا بھوکا ہے آنکھیں پیاسی

مجھے آج للچا رہے ہو لُبھا کر
نہ میرے بنے مجھ کو اپنا بنا کر
ذرا دیر رُکتے ذرا تو ٹھہرتے
کہاں چھپ گئے اِک جھلک ہی دکھا کر

کئے ہیں بہت میں نے پھیروں پہ پھیرے
اُٹھانے سہے رات دن تیرے میرے
اسی دُھن میں چکر لگاتا رہا ہیں
اندھیرے اُجالے ادیرے سویرے

مجھے تو بس اِس بات نے مار ڈالا
کہ سچّی لگن کا رہے بول بالا
مجھے اپنی چاہت پہ اِتنا بھرم ہے
اندھیرے میں ہو کر رہے گا اُجالا

کلیجہ کو اب یہ چبھن کھا رہی ہے
نہ تم آئے اور بات بھی جا رہی ہے
کہیں بھید بھی اپنا کھتا ہے کوئی
مجھے اپنے اوپر ہنسی آ رہی ہے

یہاں تک احتیاطِ شوق برتی ہے کہ اب ڈر ہے
یہ بیگانہ روی غمّازِ رازِ دل نہ بن جائے

آیا تو انقلابِ زمانہ بروے کار
لیکن تری نظر کا سہارا لئے ہوئے

معراجِ نظر

انسان کے پردے میں خدا دیکھ رہا ہوں
میں ظرفِ نظر سے بھی سوا دیکھ رہا ہوں

احباب میں کم رنگِ وفا دیکھ رہا ہوں
یہ واقعہ سننا تو تجھے کیا دیکھ رہا ہوں

پہلے تو نہ تھی فرصتِ نظّارہ نہ دیکھا
ہاں اب تو ذرا پردہ اُٹھا دیکھ رہا ہوں

جب تو نہیں موجود تو کیا کھیل ہے دنیا
دن رات میں یہ خواب سا کیا دیکھ رہا ہوں

کیا جانئے کیا ہوگی حقیقت میں تجلّی!
یہ عکس اگر جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

پھر ہونے کو ہے دل پہ غمِ تازہ کی یورش
پھر ڈوبی ہوئی نبضِ فضا دیکھ رہا ہوں
نقاشِ ازل میں تری جدت کے تصدق
ہر نقش سے ہر نقش جدا دیکھ رہا ہوں
نظریں ہیں مری مرکزِ انوار پہ قائم
تخلیقِ دو عالم کی بنا دیکھ رہا ہوں
اک تیرے نہ ہونے سے ہیں بیرنگ مناظر
ہر ساز کو محرومِ صدا دیکھ رہا ہوں
کونین کو فطرت نے سنوارا تو ہے لیکن
اس آئینہ میں عکسِ فنا دیکھ رہا ہوں
میرے لئے ہر برق ہے تمہیدِ نظارہ
میں موت کے دامن میں بقا دیکھ رہا ہوں
ہیں بیخودیِ شوق میں بے پردہ دو عالم
ہر چیز کو میں اپنے سوا دیکھ رہا ہوں

شاعر کی نظر سے انھیں دیکھے کوئی نخشب
میں کیسے بتاؤں کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں

غزل

یوں بھی اکثر کسی کی یاد آئی
دل نہ دھڑکا نہ روح تھرائی
اس نے غم میں کرم سے حال پوچھا
آرزو اپنی صبر میں شرمائی

چاند دل کا کسی جواب آیا
ایک آواز بازگشت آئی
کوئی پیرایۂ بیانِ غم نہیں نخشب
زندگی ہے کہ شامِ تنہائی

نخشب

آج کل

ہر تمنّا میری اُن کا مدعا ہے آج کل
زندگی ہی زندگی کا آسرا ہے آج کل

ذوقِ اُلفت بے نیازِ مدّعا ہے آج کل
مجھ کو اُن سے اُن کو مجھ سے واسطا ہے آج کل

انتہائے قرب و ربطِ باہمی کے باوجود
سینے میں دھڑکن سی دل میں درد سا ہے آج کل

یوں تو ایسا اضطراب ایسی خلش پہلے بھی تھی
لیکن اِس عالم میں اِک طرفہ مزا ہے آج کل

ہو رہا ہے چشمِ خود بیں کو بھی عرفانِ جنوں
خوش نگاہی میں اضافہ ہو رہا ہے آج کل

اپنی اپنی حد میں چشم و دل کی محویت نہ پوچھ
ظاہر و باطن کا جلوہ آئینہ ہے آج کل

امتیازِ طالب و مطلوب تک باقی نہیں
گردشِ دوراں سے یہ لمحہ جدا ہی آج کل

کاش عمرِ رفتہ کی تاریخ بھی پلٹے ورق
دلنوازی شیوۂ اہلِ جفا ہے آج کل

دل تو دو ہیں لیکن اک زنجیر میں جکڑے ہوئے
حُسن بھی منجملۂ اہلِ وفا ہے آج کل

عقل و دانش ہے الگ ادراک کی حد سے جُدا
شوق کی دنیا کا عالم دوسرا ہے آج کل

حُسن و اُلفت دونوں اک منزل میں آ کر کھو گئے
کیا خبر ہے کون کس کا رہنما ہے آج کل

اِس کا اے نخشبؔ تعلق ہے لطیف احساس سے
ہر کسی کو کیا خبر کیسی فضا ہے آج کل

نئی زندگی

نورافشاں آج شمعِ زندگی پاتا ہوں میں
دل میں جلوے رُوح میں تابندگی پاتا ہوں میں

عشق کو دور از خودی و بیخودی پاتا ہوں میں
اب انھیں بھی ہر تعین سے بری پاتا ہوں میں

جن نگاہوں نے مجھے بخشا تھا وقفِ اضطراب
اُن نگاہوں میں سکونِ دائمی پاتا ہوں میں

ملتفت نظریں ہیں پیغامِ حیاتِ نو مجھے
ہر نفس میں ایک تازہ زندگی پاتا ہوں میں

ناز والے تو نیازِ عشق کے قائل نہ تھے
آج اِن میں انقلابِ آگہی پاتا ہوں میں

آسماں کی خودسری وکجروی کیا ہوگئی ؟
کیوں جبینِ عرش قدموں پر جُھکی پاتا ہوں میں
دل ٹھکانے ہو تو کیا ارض وسما کی وسعتیں
دونوں عالم کو بقدرِ یک خوشی پاتا ہوں میں
اضطرابِ دل گھٹا تو آرزوئیں بڑھ گئیں
خالقِ امید ان کی دل دہی پاتا ہوں میں
دل کے اجزا ہی کی شاید معتدل فطرت نہیں
اب خوشی بھی تا درِ دیوانگی پاتا ہوں میں
جلوۂ پنہاں جو پہلے تھا حجاب اندر حجاب
اب اُسے وارفتۂ جلوہ گری پاتا ہوں میں
یا تو نا محسوس تھا ربطِ مذاقِ حُسن و عشق
یا اسے محسوسِ عقل وآگہی پاتا ہوں میں
ناز برداری بہت کرتی رہی تقلیدِ ناز
پیروی میں اب شکوہِ رہبری پاتا ہوں میں

ایسی نازک راہ سے شاید ہی گزرا ہو کوئی
ہر قدم پر ایک دنیا حیرتی پاتا ہوں میں
روحِ نخشبؔ جذب ہو کر رہ گئی گلزار میں
ہر تبسّم سے گُلوں کے تازگی پاتا ہوں میں
نظم سُن کر اُن کے ہونٹھوں پر تبسّم آ گیا
نخشبؔ اِس عنواں سے دادِ شاعری پاتا ہوں میں

اپنے اپنے ظرف پر موقوف ہے حسنِ طلب
ہیں گدا ایسے بھی جو ہاتھ پھیلاتے نہیں
اس زمانے میں کہاں سچی محبت کا وجود
دیکھتے ہو نخشبؔ اب ترساتے نہیں

بے کیفی

آج کچھ اور رنگ طاری ہے
ہر نفس زندگی پہ بھاری ہے

ماہ و انجم میں روشنی نہ رہی
لالہ و گُل میں تازگی نہ رہی
یعنی دنیا میں دلکشی نہ رہی

ہم ہیں اور اپنی غم گُساری ہے

حُسن و الفت کا وہ فسوں نہ رہا
دل ہے دل کو مگر جنوں نہ رہا

دل وہی دل کے واردات وہی
اُن کا اب بھی ہے التفات وہی
حال دیگر ہے واقعات وہی

لیکن اب رُوح کو سکون نہ رہا

بے رُخی وجہِ انتقام نہیں
اس شکایت کا کوئی نام نہیں

سر گرانی ہے اور دلِ مغموم
گُم ہے کیفیتوں میں ہر مفہوم
وجہ بے ربطی کچھ نہیں معلوم
اُن سے اب نامہ و پیام نہیں

بے ثباتی نہیں اُڑاتی ہے
آس بندھتی ہے ٹوٹ جاتی ہے
کیا طبیعت رہے جوان آخر
ہر یقیں بن گیا گُماں آخر
اِس فضا میں سکوں کہاں آخر
لب پہ گھبرا کے آہ آئی ہے

آخری یہ بھی اِک گُناہ کریں
ان سے ہم ترکِ رسم و راہ کریں

درد ہے زندگی محبت کی
انتہا یہ ہوئی محبت کی
ابتدا ہم نے کی محبت کی

وہ بھلا کس لئے نباہ کریں

خودداری

تیرا یہ کہتے ہوئے سینے میں دل ہلتا نہیں
ہمنشیں کیوں خود پرستاروں سے میں ملتا نہیں
پوچھتا ہے مجھ سے اس مہمل سے فقرے کا جواب
سُن ! کئے دیتا ہوں میں ساری حقیقت بے نقاب
سینۂ شاعر میں پنہاں جذبۂ خوددار ہے
آنکھ بھی روشن ہے میری روح بھی بیدار ہے
ان کے آگے روح میری پیچ و خم کھاتی رہی
پھبتیاں کستا رہا دل روح شرماتی رہی
سرد مہری سے تمنائے دلی شل ہو گئی
بارِ غم سے غیرتِ تقدیس بوجھل ہو گئی

گرمیِ خورشید سے سونا پگھلتا ہے کہیں
جوہری بھی نقص کے سانچے میں ڈھلتا ہے کہیں
جب رعونت چھیڑتی ہے خود پرستی کا ستار
بھیس میں آہوں کے دل ہوتا ہے میرا نغمہ بار
قلب میرا دولتِ احساس کھو سکتا نہیں
آب و تابِ زر میں خودداری ڈبو سکتا نہیں
مٹ نہیں سکتا مٹائے سے غیورانہ شکوہ
کیا بنا سکتا ہے اخلاقی درندوں کا گروہ
جذبۂ غیرت کسی کے پاؤں پڑ سکتا نہیں
مر تو سکتا ہوں زمیں میں زندہ گڑ سکتا نہیں
رہزنِ انسانیت رہتے ہیں ہر دم گھات میں
اپنی عظمت کا کوئی رکھتے ہیں پہلو بات میں
غیرتِ مخلص ہلاکِ جذبۂ پندار ہو
اے حریفِ ذہن و دل بیدار ہو بیدار ہو

ان کی بے حس کھال پر کوئی اثر ہوتا نہیں
تنگ نظروں میں حقیقت کا گذر ہوتا نہیں
میری تاریخ و ادب ہی میں نہیں الفاظِ لاف
بندہ پرور ہے مجھے کم مائگی کا اعتراف
ایسی حالت میں کسی سے جُھک کے ملنا ہے گُناہ
یہ خلوصِ بے محل کرتا ہے روحوں کو سیاہ
اپنا دل اپنے ہی ہاتھوں سے مسل سکتا نہیں
ہمنشیں میں اپنی فطرت کو بدل سکتا نہیں

نذرِ اقبال

چشمِ شاعر ہے اسی طرح سے اب بھی بیتاب
چھیڑتی ہے رگِ احساس کو غم کی مضراب
کوئی دیتا نہیں فطرت کے سوالوں کا جواب
روز اٹھتی ہے یونہی رُوئے مشیت سے نقاب

کوئی اقبال سا اب دیکھنے والا ہی نہیں
"جلوۂ طور تو موجود ہے موسےٰ ہی نہیں"

آج وہ گرمیِ محفل کسی محفل میں نہیں
موجیں بیتاب ہیں جنبش لبِ ساحل میں نہیں
اب کوئی رہبرِ کامل رہِ منزل میں نہیں
شاید اس کا کوئی احساس کسی دل میں نہیں

تجھ میں آیا تھا جو دنیا نئی دنیا لے کر
اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

شعر سے گیسوِ تہذیب سنوارا کس نے
آدمیت کو تنزل سے اُبھارا کس نے
رکھ دی الفاظ میں ترکیبِ دل آرا کس نے
حُسنِ اُردو بھر انداز نکھارا کس نے

سوزِ غم سے دلِ اقبال شرارے کی طرح
غوطہ زن نور میں تھا آنکھ کے تارے کی طرح

شیشۂ نظم میں تصویرِ حقیقت رکھ دی
طاقِ نسیاں پہ وہ فرسودہ حکایت رکھ دی
سامنے قوم ہی کے قوم کی قسمت رکھ دی
قالبِ شعر میں رُوحِ فن و حکمت رکھ دی

مشعلِ نور اندھیرے میں جلائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

اب وہ تحریر میں اقبال کا انداز کہاں
سرمدی سوز میں ڈوبی ہوئی آواز کہاں
کیف اشعار میں وہ نظم میں اعجاز کہاں
تار ہی ٹوٹ گئے ساز کے تو ساز کہاں

رُوح بیتاب ہے اُردو کی مچلنے کے لیے
طُور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

نظمِ تخلیق میں خودداریِ دنیا کیا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشا کیا ہے
میں ہلاکِ غمِ امروز ہوں فردا کیا ہے
مجھ سے کیا پوچھتے ہو میری تمنّا کیا ہے

مرگِ اقبال سے وہ رنج و محن ہے مجھ کو
"شکوہ اللہ سے خاکم بہ دہن ہے مجھ کو

بدگمانی

لمحہ لمحہ ہے حیاتِ کارگر کا معتبر
سجدہ سجدہ ہے دلِ آشفتہ سر کا معتبر
ذرہ ذرہ ہے وفا کی رہ گذر کا معتبر
رفتہ رفتہ ہوتی جاتی ہے مجسم آرزو
کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

ملتفت نظریں نظر آتی ہیں کم کم ہی سہی
التفاتِ حسن کی رفتار مدھم ہی سہی
ہر ادا میں تو کرم ہے زلف برہم ہی سہی
یہ گماں ہوتا ہے کوئی شے نہیں ہے جستجو
کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

ذہنِ شاعر کی مکمل قوتِ پرواز ہے
تیرا جو لہجہ ہے میری رُوح کی آواز ہے
رونقِ ہر انجمن ہے ہر چمن کا راز ہے
اے سراپا شعر و نغمہ اے مجسّم رنگ و بُو

کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

کائناتِ عرش و کرسی سرنگوں موجود ہے
روح محوِ بندگی ہے زندگی مسجود ہے
اب میں سمجھا ہوں کہ دو عالم کا کیا مقصود ہے
راز کب کُھلتا اگر جلوہ نہ ہوتا روبرو

کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

آگیا یہ حُسن کی فطرت میں کیسا انقلاب
عشق کا ہر ہر نفس ہے اب پیامِ کامیاب

سامنے بے پردہ آنے میں نہیں کچھ اجتناب
یہہ نگاہِ ملتجی یہہ بھولی بھولی گفتگو

کیا ہٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

عالمِ اسباب میں ایسا کہیں ہوتا نہیں
حُسنِ خود بیں عشق کے زیرِ نگیں ہوتا نہیں
یہ تو سب کچھ ہے مگر مجھ کو یقیں ہوتا نہیں
سوچتا ہوں تیرے دل میں اور میری آرزو

کیا ہٹانا چاہتا ہے لُطف کے پردے میں تو

قہر تو کیا لُطف کی نظروں سے بھی بچتا ہوں میں
تجھ سے برگشتہ نہیں اپنے سے برگشتہ ہوں میں
اس لیئے اب التفاتِ حُسن پر ہنستا ہوں میں
یہ دلِ ناکامیاب اور کامیابِ آرزو

کیا ہٹانا چاہتا ہے لُطف کے پردے میں تو

خوابِ شیریں ہی کہیں خوابِ پریشاں تو نہیں
جانِ جاں سمجھا ہوں جس کو دشمنِ جاں تو نہیں
یہ تباہی کا مری رنگین عنواں تو نہیں
یکسوئی حاصل نہیں میری نظر ہے چار سو

کیا مٹانا چاہتا ہے لُطف کے پردے میں تو

ظاہری یہ ربطِ اُلفت بھی کبھی دھوکا نہ ہو
اے یقینِ التفاتِ حُسن پھر ایسا نہ ہو
مجھ کو وہ کچھ دیکھنا ہو جو کبھی دیکھا نہ ہو
پھر دلِ پُر آرزو ہو اور تیری جستجو

کیا مٹانا چاہتا ہے لُطف کے پردے میں تو

ہاں ابھی باقی ہے کچھ کچھ ذہن و دل پر اختیار
ہاں ابھی دنیائے ضبطِ شوق کا ہوں شہریار

ہاں ابھی تجھ پر نہیں میری تباہی کا مدار
ہاں ابھی پختہ نہیں دل میں بنائے آرزو

کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

روشنیِ طبع کے ہاتھوں نہیں حاصل سکوں
ذہن و دل کی کشمکش الفاظ میں کیونکر کہوں
جرأتِ رندانہ میں شامل ہے کچھ جزوِ جنوں
یہ بھلا کہنے کی کب باتیں تھیں تیرے روبرو

کیا مٹانا چاہتا ہے لطف کے پردے میں تو

تعمیری تخریب

صبح کے رنگیں لبوں پر ہے تبسم کی جھلک
گُل متاعِ زر نچھاور کرتے ہیں کلیاں مہک
لیتی ہے انگڑائیاں غنچوں کے پہلو میں حیات
کروٹوں پہ کروٹیں لیتی ہے روحِ کائنات
نرم و نازک تابشوں سے ضوفگن ہے آفتاب
آسماں کا مطلعِ رنگیں ہے محرومِ سحاب
بے تکلف ہیں نظر کے سامنے دیوار و در
پنجۂ خورشید سے ٹکڑے ہے دامانِ سحر
اپنی مجبوری پہ اہلِ باغ نے سر دھن لیے
مہر نے کرنوں کی نکچوٹی سے موتی چُن لیے

یہ سماں ہے میں ہوں اور لاہور کا لارنس باغ
گشت میں ہیں مغربی تہذیب کے چشم و چراغ

پیکرِ شرم و حیا شرم و حیا سے دور ہے
سینۂ اخلاق میں رِستا ہوا ناسور ہے
ہے زمیں پر اس طرح قامت کے سایہ کا نشاں
آسماں پر جس طرح ہو پارۂ ابرِ رواں
سایہ میں یوں دست و پا کے مضطرب تھی روشنی
آئینہ بازی میں ہو مصروف جیسے تیرگی
جمپروں کی ایسی ہے کچھ نیم عریاں سی تراش
ناخنِ تخریب کی ہے قلبِ فطرت پر خراش
چل رہی ہیں شوخیوں کی رَو میں اٹھلاتی ہوئی
ہر قدم پر بے زری کی لاش ٹھکراتی ہوئی

سادگی رُخ پر کہاں ذوقِ نظر کی بھول ہے
یہ وہ تیور ہے کہ ہر انداز میں مقبول ہے
ظاہری صورت دلی جذبات کی تصویر ہے
بہکی بہکی سی نظر بیباک سی تقریر ہے

یہ مرقع ہے اگر نخشبؔ نئی تہذیب کا
رنگ آتا ہے نظر تعمیر میں تخریب کا

اکبرؔ الٰہ آبادی

دلکشی اتنی تھی آوازِ شکستِ ساز میں
گو نجتے ہیں آج تک نغمے فضائے راز میں
تھرتھری ہے جن سے اعجازِ لبِ اعجاز میں
تو نے وہ باتیں کہیں اپنے نئے انداز میں

تیری نظموں سے دلِ حسّاس چھن کر رہ گیا
ہر سخن لوحِ ادب پر نقش بن کر رہ گیا

یُوں تو شاعر سینکڑوں آتے رہے جاتے رہے
زعمِ یکتائی میں کیا کیا ناز فرماتے رہے
میرؔ و غالبؔ کیا زمانے بھر کو جھُٹلاتے رہے
جیتے جی خود ساختہ خیّام کہلاتے رہے

کچھ نہ کچھ انداز نو جس کے فسانے میں نہیں
اِس کی گنجائش ادب میں کیا زمانے میں نہیں

اب جہاں میں کوئی اِس انداز کا حامل نہیں
ہے وہی محفل مگر وہ گرمیِ محفل نہیں
یہ کمی یوں ہے کہ تو اس بزم میں شامل نہیں
جس جگہ دل تھا وہاں اک دردسا ہی دل نہیں

رنگ تیرا فخر ہے سارے چمن کے واسطے
تو چراغِ بزم تھا اہلِ سخن کے واسطے

آج بھی محفل میں گو موجود ہیں پیر و جواں
وہ ظرافت شعر میں وہ بات میں لذت کہاں
جتنی اگلی صحبتیں تھیں ہو گئیں وہم و گماں
شعر کے پردے میں تو لیتا رہا ہے چٹکیاں

شعر کہنے کا ترے سب سے جُدا انداز تھا
شاعری کی شاعری اعجاز کا اعجاز تھا

تجھ کو اسلوبِ سخن سب سے جُدا بخشا گیا
تیری جدت کو نیا اِک راستا بخشا گیا
زندگیِ جاوداں کا آسرا بخشا گیا
جس کو یہ فیضِ الٰہی مل گیا بخشا گیا

اب کوئی اِس راستے پر چلنے والا ہی نہیں
بُجھ گئی مشعل اندھیرا ہے اُجالا ہی نہیں

گل بہاریں اپنی اپنی باغ میں دکھلا گئے
دہر میں پیدا ہوئے، مہکے، کھلے، مُرجھا گئے
چہرے سے پردا اُٹھا کر یک بیک شرما گئے
جن کا جتنا ظرف تھا نخشب وہ اُتنا پا گئے

تذکرہ تیرا ادیبوں میں سخن دانوں میں ہے
عکس ابھی تیرا ادب کے آئینہ خانوں میں ہے

سُورج گرہن

ہو رہا ہے یہ نظامِ دہر میں کیسا انقلاب
آج مشرق ہی میں ڈوبا جا رہا ہے آفتاب
چھا گئی افسردگی ایسی در و دیوار پر
یورشِ ظلمت ہو جیسے مطلعِ انوار پر
روشنی کم ہو چلی نظارے گھبرانے لگے
آج دن میں خلق کو تارے نظر آنے لگے
ڈوبا جاتا ہے نظر کے سامنے گردوں کا دل
آرزوئیں بے سر و پا ہیں نگاہیں مُضمحل
گُھلتا جاتا ہے سحر کے وقت قرصِ آفتاب
بے ثباتی کا معمہ ہو رہا ہے بے نقاب

اب نظامِ چرخِ کج رفتار برہم ہو گیا
یک بیک دنیا کا کاروبار مدھم ہو گیا
امتحاں کا وقت ہے سورج گہن میں آگیا
دونوں عالم کی فضاؤں پر دُھندلکا چھا گیا
دستِ فطرت نے نوازِ نغمۂ خاموش ہے
حیرتوں کا نقش لوحِ دل سے ہم آغوش ہے

زندگی میں ایک ایسا دَور آتا ہے ضرور
بارِ غم سے جب سکوں کا ٹوٹ جاتا ہے غرور

مشکلیں زیور ہیں حُسنِ زندگانی کے لئے
رنج و غم غازہ ہیں روئے شادمانی کے لئے
وقت کی گرمی گلا دیتی ہے لوہا آس کا
آرزو کے خون سے رنگیں ہے پیکر یاس کا

سازِ اطمینان سے آتی ہے ماتم کی صدا
ایک رُخ پر رہ نہیں سکتی زمانے کی ہوا

وقت کی تلوار کا ہر زخم کھانا چاہیئے
مرد کو دُشواریوں میں مُسکرانا چاہیئے

اتحادِ باہمی

دونوں ہیں آج برہم بے ربطیِ جہاں سے
دل پھٹ گئے ہیں شاید کچھ تلخیِ بیاں سے
کس طرح اُٹھ سکیں گے پردے یہ درمیاں سے
میں اُن سے بدگماں سا وہ مجھ سے بدگماں سے

کیسے اماں ملیگی اس برق بے اماں سے
شعلے برس رہے ہیں دامانِ گلستاں سے
جائیں گے لالہ و گل بچ کر کہاں خزاں سے
آپس میں تفرقے ہیں تقدیرِ باغباں سے

آپس کے تفرقوں سے آتا ہے باز کوئی
خاموشیوں کی لے میں ڈھلتا ہے ساز کوئی
پھر راز رہ سکے گا کیا اپنا راز کوئی
یوں ہی رہی جو ان بن ہر روز راز داں سے

ہر نوجواں کو پیرِ صد سال کر دیا ہے
سبزہ کو کیا چمن کو پامال کر دیا ہے
آپس کی الجھنوں نے کیا حال کر دیا ہے
اس پر شکایتیں ہیں کیا خوب آسماں سے

جن کا دماغِ ہستی تھا بامِ آسماں پر
وہ خود جھکے ہوئے ہیں غیروں کے آستاں پر
جو طعنہ زن کبھی تھے خودداریِ جہاں پر
اب تنگ آ گئے ہیں خودداریِ جہاں سے

طرزِ جفا میں اُن کی اللہ رے پختہ کاری
یعنی قرار بھی ہے عنوانِ بے قراری
ذوقِ ستم بھی اُن کا ہے صرف پردہ داری
مجروح کر رہے ہیں وہ تیرِ بے کماں سے

دنیا و دیں پہ ہنس کر فطرت پہ مسکرا کر
پہلوئے لالہ و گُل نظروں سے گدگدا کر
اُٹھ اور چھین بھی لے دستِ طلب بڑھا کر
قوس قزح سے خنجر، شمشیر کہکشاں سے

فریادیوں کی لے ہے طرزِ کلام اپنا
پہنچا دے کاش کوئی اُن تک پیام اپنا
کر لیں گے اہلِ گلشن خود انتظام اپنا
چھوڑیں چمن کو کہہ دو صیاد و باغباں سے

ہے انقلاب مختشب تقدیر دوجہاں کی
تخصیص کچھ نہیں ہے صحرا و گلستاں کی
مجبور کل وہ ہوں گے گردش سے آسماں کی
جو آج پھر رہے ہیں گلشن میں شادماں سے

ٹیگور

سرنگوں، سر در گریباں فطرتِ بیباک ہے
اپنے مرکز پر کہاں اب گردشِ افلاک ہے
صبح کا سینہ ہے شقِ گُل کا گریباں چاک ہے
روح بوجھل ہوتی جاتی ہے نظر غمناک ہے

کچھ عجب انداز سے بدلا نظامِ کائنات
ہے سحر کی دلکشی تمہیدِ شامِ کائنات

ایک مرکز پر نہیں قائم مزاجِ رنگ و بُو
گرمیِ محفل میں اب شامل نہیں جام و سبو
اب کہاں ٹیگور ہے ویران بزمِ آرزو
گردشِ افلاک میں پنہاں ہے اس کی جستجو

رنگِ گُل بیرنگ ہے رنگِ طبیعت کے بغیر
گُم سی ہے نبضِ جہاں نبّاضِ فطرت کے بغیر

نغمۂ مطرب کسی دُھن میں بھی ہو بھاتا نہیں
روح کو کیفِ مذاقِ بزم تڑپاتا نہیں
دونوں عالم میں کسی کو شادماں پاتا نہیں
وہ نہیں، لیکن نہ ہونے کا یقیں آتا نہیں

حُسنِ فطرت کچھ نہیں حُسنِ بیاں کے سامنے
موت کیا ہے زندگیِ جاوداں کے سامنے

زندگی و موت میں یہ فرق اے دمساز ہے
پاس کی آواز ہے اِک دور کی آواز ہے
دوسرے انداز میں یہ بھی وہی انداز ہے
اہلِ ظاہر کے لئے یہ راز اب تک راز ہے

جلوہ گر نقاش خود ہے پردۂ تصویر میں
عکسِ شاعر دیکھئے آئینۂ تحریر میں

آرزو

محبت بنوعِ دگر چاہتا ہوں
تجھی کو ترا نامہ بر چاہتا ہوں
دُعا بے نیازِ اثر چاہتا ہوں
غمِ دل غمِ معتبر چاہتا ہوں
تمنائے جلوہ خلافِ خرد ہے
مگر میں بزعمِ نظر چاہتا ہوں
یہ مانا رگِ جاں سے نزدیک ہو تم
میں اِس سے بھی نزدیک تر چاہتا ہوں
وفا اور تم۔ اِک فریبِ وفا ہے
سمجھتا ہوں میں بھی مگر چاہتا ہوں

جہاں صرف تیرے ہی نقشِ قدم ہوں
محبت کی وہ رہگزر چاہتا ہوں

وفائیں تمھاری ہوں یا ہوں جفائیں
کوئی شے بھی ہو معتبر چاہتا ہوں

محبت بہر گام دُشوار تر ہے
وہ کھنچتے ہیں میں جس قدر چاہتا ہوں

اُنھیں بھی نہیں چاہتا مضطرب ہیں
اور آہوں کو بھی با اثر چاہتا ہوں

مرے دل کی نادانیاں کوئی دیکھے
اُنھیں بھی بقدر نظر چاہتا ہوں

وہ آغازِ اُلفت وہ پُر کیف لمحے
وہی فصلِ دیوانہ گر چاہتا ہوں

تمھاری خبر کیا بھلا مجھ کو ہو گی
میں اپنی ہی تم سے خبر چاہتا ہوں

دلِ بدگماں ہر طرح مطمئن ہے
مگر اعتبارِ نظر چاہتا ہوں

جہاں ماسوا نقشِ باطل ہے مخشبؔ
اُسی رہ گزر سے گزر چاہتا ہوں

مُعلّمِ چمن

کچھ شعر گنگناتے اُٹھا ہوں مُنہ اندھیرے
الہام کی فضائیں قلب و نظر میں گھیرے
افشاں سی چھُٹ رہی ہے افلاک کی جبیں سے
گردوں ہے شادماں سا تارے ہیں شرمگیں سے
گردابِ صبح میں ہے مہتاب کا سفینہ
اب خاتمِ فلک سے گرنے کو ہے نگینہ
انجم چھپے ہوئے ہیں سورج کی برہمی سے
ہوتا ہے چاند رخصت افسردہ چاندنی سے
سازِ سکوں پہ طائر نغمے سُنا رہے ہیں
افسُردہ دل مناظر پھر مُسکرا رہے ہیں

ڈوبی ہوئی سحر کو اُبھری ہے نبضِ عالم
بیداریوں کا ہر سو لہرا رہا ہے پرچم
دوشیزۂ سحر کیا آنچل اُٹھا رہی ہے
ہر شے پھر اپنے اپنے مرکز پہ آ رہی ہے
اُکھڑا ہی چاہتا ہے تاریکیوں کا ڈیرا
ظلمت کی گود میں ہے مچلا ہوا سویرا

گلشن میں آگیا ہوں ایسے میں اپنے گھر سے
پیتا ہوا صبوحی میخانۂ سحر سے

ہے تختۂ چمن میں جنگل کی ماہ رانی
نظروں کو بل رہی ہے کھوئی ہوئی جوانی
کچھ نو شگفتہ کلیاں دامن میں بھر رہی ہے
گلزار زادیوں سے اک چھیڑ کر رہی ہے
خوابِ سحر کی رنگیں تعبیر اللہ اللہ
فطرت کی چلتی پھرتی تصویر اللہ اللہ

اِک شاہکارِ فطرت شاعر کا رازداں ہے
آغوشِ چشم و دل میں جو چیز ہے جواں ہے
طفلی کا ہاتھ تھامے بڑھتی ہوئی جوانی
تازہ سا اِک فسانہ بھولی سی اِک کہانی
دوشیزگی کی بُو سے گلشن مہک رہا ہے
یا بادہ کش صبوحی پی کر بہک رہا ہے
گلشن کو مل گیا ہے کھویا ہوا خزینہ
نرگس کی کور آنکھیں پھر ہو گئی ہیں بینا
تنویرِ رُخِ سحر کے جلووں میں بٹ رہی ہے
شب کی گھنی سیاہی رہ رہ کے چھٹ رہی ہے
رُخ کی صباحتوں میں ٹیکے کا کیا گزارا
نورِ سحر میں آخر گُم ہو گیا ستارا
ہاتھوں سے کالی زُلفیں پیہم ہٹا رہی ہے
تاریکیوں کی دیوی نظریں چُرا رہی ہے

مخمور انکھڑیوں میں چھلکی ہوئی گلابی
باقی ہیں کچھ سحر میں آثارِ نیم خوابی
اعضا کا لوچ شاخِ گُل میں سما رہا ہے
عالم نزاکتوں کا ترتیب پا رہا ہے
سر بستہ مُسکراہٹ کلیوں میں بس رہی ہے
پھولوں کی پتیوں میں ہونٹوں کی تازگی ہے
شمشاد و سرو ساکت سارے چمن میں ہلچل
اللہ رے قدِ موزوں جیسے غزل مسلسل
پیکر کی ہر لچک میں حُسنِ سبک خرامی
جُھک جُھک کے نرم شاخیں دیتی رہیں سلامی
یہ سادگی کا عالم پُرکاریاں تصدّق
ان مست انکھڑیوں پر ہُشیاریاں تصدّق
گونگی سی مسجدیں ہیں خاموش سے شوالے
شرم و حیا کا دامن نیچی نظر سنبھالے

نظریں جھکی جھکی ہیں بچ بچ کے چل رہی ہے
سانچے میں حریت کے تہذیب ڈھل رہی ہے
نقش قدم نہیں ہیں سو حسن ہیں زمیں میں
سجدے تڑپ رہے ہیں احساس کی جبیں میں
نقاش حیرتوں کی تصویر بن گیا ہے
جو نقش ہے جبیں کی تقدیر بن گیا ہے
بالوں کے پیچ و خم میں مستی مچل رہی ہے
رہ رہ کے ایک دُنیا کروٹ بدل رہی ہے

مخصوص ہو رہی ہیں اُلفت کی شاہ راہیں
اب گامزن فضا میں جلوے ہیں یا نگاہیں

ناصحِ مشفق

تم کو آخر میرے اُن کے درمیاں آنے سے کیا
محسنِ من وہ سمجھ جائیں گے سمجھانے سے کیا

حسن میں خود اعتمادی عشق میں بے رہروی
وہ اثر میں لے مرے ناراض ہو جانے سے کیا

آپ اپنے رنگ میں ہیں میں ہوں اپنے رنگ میں
آپ کو اے بندہ پرور میرے افسانے سے کیا

دل کو بہلانے کی کوشش اور ان سے دُور دُور
دل بہل بھی جائے گا اِس طرح بہلانے سے کیا

اشتعال آمیز باتوں سے اگر ضِد بڑھ گئی
ایسے سمجھانے سے حاصل ایسے سمجھانے سے کیا

مجھ کو تو یہ بے نیازی، بے رُخی سب کچھ قبول
آپ کو راحت ملے گی میرے تڑپانے سے کیا

ان کا ملنا بھی غلط ترکِ تعلق بھی محال
یہ حیاتِ کشمکش بھی کم ہے مر جانے سے کیا

پہلے ہی بچپنا تھا نخشبؔ اس بُتِ بے مہر سے
اب بھلا مردِ خدا ہوتا ہے پچھتانے سے کیا

طلوعِ سَحر

ہے دُھندلکا جہان پر طاری
تھم کے چلتی ہے نبض بیداری
شب نے اُلٹا ہے سُرمئی آنچل
چشمِ گردوں سے چُھٹ گیا کاجل
نجم آخر بھی جِھلملاتا ہے
نُور ظلمت پہ مُسکراتا ہے
اِک خلا سا ہے شب کے سینے میں
نُور ہے رات کے سفینے میں
نُور و ظلمت کا اِمتزاج ہوا
جھٹپٹا دھندوں کی لاج ہوا

لیلیِ شب نے بال سلجھائے
نقش ڈوبے ہوئے اُبھر آئے
چھپ گئے آسمان پر تارے
داغ سینے کے دُھل گئے سارے
پردہ اُٹھتا ہے روئے فطرت سے
کس کو انکار ہے حقیقت سے
چشمِ آدم سے گرد ہے اوجھل
بارِ شبنم سے خاک ہے بوجھل
پہلے جلوے نہ تھے نگاہیں تھیں
منتظر راہ رو کی راہیں تھیں
کروٹیں لے کے بحر و بر اُٹھے
آنکھ ملتے ہوئے شجر اُٹھے
سازِ فطرت نے نغمے برسائے
عرش و کرسی بھی وجد میں آئے

طائر اس طرح چہچہاتے ہیں
گوشۂ اشجار گنگناتے ہیں
پھول پتوں سے تازگی برسی
آبشاروں سے نغمگی برسی
عمر گزرے انہی بہاروں میں
شبنم آلود مرغزاروں میں
تیز سے تیز تر ہے نبضِ حیات
پھر دھڑکتا ہے قلبِ موجودات
اور پردے نہ درمیاں ہوتے
کاش یہ لمحے جاوداں ہوتے

زیست ہے اور فریبِ سود و زیاں
پھر جہاں کا ہے کاروبار رواں

"عزم و عمل"

یہ حقیقت کوئی شرمندۂ اظہار نہیں
زندگی کاوشِ پیہم ہو تو کچھ بار نہیں
جس کے سینہ میں نہاں جذبۂ ایثار نہیں
سچ تو یہ ہے کہ وہ جینے کا بھی حقدار نہیں

ٹوٹ کر رہتی ہیں فولاد کی زنجیریں بھی
عزم کے ساتھ بدل جاتی ہیں تقدیریں بھی

عزم راسخ ہے تو کونین بھی ہے زیرِ نگیں
ڈگمگاتے ہوئے قدموں کی نہ دنیا ہے نہ دیں
کُلیہ سب کے لئے ہے کوئی تخصیص نہیں
جم کے جو خاک پہ بیٹھا وہ ہوا عرش نشیں

کوئی صورت ہو زمانے کی بدل جاتی ہے
سامنے آئی ہوئی موت بھی ٹل جاتی ہے

زندگی جس کی بھی اک دُھن میں بسر ہوتی ہے
اُس کے قدموں پہ فدا فتح و ظفر ہوتی ہے
ہر تڑپ حاصلِ صد برق و شرر ہوتی ہے
ایسے انساں پہ زمانے کی نظر ہوتی ہے

کوئی مشکل ہو دبے پاؤں گزر جاتی ہے
دفعتاً گردشِ افلاک ٹھہر جاتی ہے

دُھن کسی شے کی شب و روز اگر ہو جائے
کوئی منزل کوئی میدان ہو سر ہو جائے
بحر کو عزم و عمل چاہیں تو بر ہو جائے
پانی پیہم جو پڑے سنگ میں گھر ہو جائے

عزم نادار کو ذی جاہ بنا دیتا ہے
یہ غلاموں کو شہنشاہ بنا دیتا ہے

غمِ عشق و غمِ روزگار

سکوں پرور کوئی ہنگامۂ محفل نہیں ہوتا
کہ میں شامل بھی ہو جاؤں تو دل شامل نہیں ہوتا

یہ رنگینی۔ یہ رعنائی۔ یہ نظارہ بجا لیکن
جدائی میں کبھی دل کو سکوں حاصل نہیں ہوتا

مری سادہ روی رنگیں کھلونوں سے نہ بہلے گی
دلِ حق آشنا لذت کشِ باطل نہیں ہوتا

فقط تیرے لئے یہ زندگی میں نے گوارا کی
کہ دیوانہ بکارِ خویش تو غافل نہیں ہوتا

مری بے تابیوں کو ضبط نے سنجیدگی دیدی
میں یوں خاموش ہوں جیسے کہ درد دل نہیں ہوتا

یہاں ہر اک حسیں منظر سے دل پر چوٹ لگتی ہے
کسی ساعت میں تیری یاد سے غافل نہیں ہوتا

مری مجبوریوں پر بھی نظر رکھیں نظر والے
کہ میں اپنی خوشی سے تو کہیں شامل نہیں ہوتا

میں ان تاریک راہوں سے گزر کر تجھ کو پا لوں گا
کبھی نورِ یقیں گُم کردۂ منزل نہیں ہوتا

بایں دوری میں تجھ کو بے تکلف دیکھ لیتا ہوں
کوئی پردہ نظر کے روبرو حائل نہیں ہوتا

جہاں میں ہوں وہاں نخشب سمندر بھی ہے ساحل بھی
مگر بحرِ محبت کا کہیں ساحل نہیں ہوتا

نوٹ: دوران قیام بمبئی کہی گئی۔

رَس

(گیت ہی گیت)

(۱)

دل میں کپٹ اور دس کی آشا کون تجھے سمجھائے
کون تجھے سمجھائے رے مورکھ کون تجھے سمجھائے
من کا بھیدی روپ نہ دھارے کبھی نہ درس دکھائے
کبھی نہ درس دکھائے پریتم کبھی نہ درس دکھائے
ریت یہ اس دنیا کی نہ جانا دکھیوں کے ہردے نہ دکھانا
پاپی کے ہردے کا درپن دھندلا پڑتا جائے
دھندلا پڑتا جائے رے درپن دھندلا پڑتا جائے
کس کی مسجد کیسا شوالا پریت ہے من مندر کا اجالا
جس کو پی کی لگن لگی ہو کہیں نہ آئے جائے
کہیں نہ آئے جائے پریمی کہیں نہ آئے جائے
تتلی چنچل پھول ہیں سندر اس کا جلوہ سب کے اندر
جہاں بھی کوئی دیکھنا چاہے وہیں یہ درس دکھائے
وہیں یہ درس دکھائے پریتم وہیں یہ درس دکھائے

(۲)

پون چلے، سندر رت ڈولے، پھلواری لہرائے
پھلواری لہرائے دیکھو پھلواری لہرائے
میرے من میں ہوک سی اٹھے آشا مچلی جائے
آشا مچلی جائے من کی آشا مچلی جائے
پون چلے، سندر رت ڈولے، پھلواری لہرائے
پھولوں نے کیاری کو سنوارا، کیاری مرے جیون کا سہارا
کلی کلی آنکھوں میں سما کر۔ دل میں اترتی جائے
دل میں اترتی جائے میرے دلمیں اترتی جائے
پون چلے سندر رت ڈولے پھلواری لہرائے
جیون کو پروان چڑھاوے روپ کو سچ مچ روپ بناوے
رت پون کا جھونکا کوئی ان کو بھی لے آئے
ان کو بھی لے آئے کوئی ان کو بھی لے آئے
پون چلے سندر رت ڈولے پھلواری لہرائے

(۳)

میرے لئے کافی ہے محبّت کا سہارا
ہر وقت جپا کرتی ہوں میں نام تمھارا
آنکھوں کے سامنے مرا جیون سنگھار ہے
آشاؤں کی پھبن ہے تو من کی بہار ہے
کلیاں کھلیں پھولوں نے نیا روپ نکھارا
میرے لئے کافی ہے محبّت کا سہارا

ہونٹوں پہ آتے آتے فسانہ ٹھہر گیا
دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا
یہ کس نے مرے ڈوبے ہوئے جی کو اُبھارا
میرے لئے کافی ہے محبّت کا سہارا

ایسے میں سہارا کوئی دینا کہ چلی میں
بڑھ کر مرے ساجن مجھے لینا کہ چلی میں
نظروں نے کیا تیری مرے دل سے اشارا
میرے لئے کافی ہے محبّت کا سہارا

(۴)

جیون کیسے بتاؤں، رے پریتم
جیون کیسے بتاؤں

میں دُکھیاری بپتا ماری
دُکھ نہیں جانے ہر نر ناری
کس کو ہردے دکھاؤں، رے پریتم
کس کو ہردے دکھاؤں، جیون کیسے بتاؤں .....

سپنے ہی میں یہ ہو جائے
سُکھ کو جگا کر دکھ سو جائے
آنکھوں میں رین گنواؤں، رے پریتم
آنکھوں میں رین گنواؤں، جیون کیسے بتاؤں ...

تم سے بندھا ہے جیون بندھن
لاج رکھو کچھ اس کی ساجن
میں تم ری کہلاؤں، رے پریتم

میں تمری کہلاؤں
جیون کیسے بتاؤں، رے پریتم
جیون کیسے بتاؤں

---

(۵)

پریتم پیارے درس دکھاؤ
نام یہ تیرے دھونی رمائی
ہردم تازہ بپتا اُٹھائی
ساری دنیا بیری بنائی
میرے بنو یا اپنا بناؤ - پریتم پیارے .....
سارے جگ کی مٹی چھانی
کہتی پھری میں رام کہانی
دنیا کی اِک بات نہ مانی
تم ہی خود آ کر سمجھاؤ - پریتم پیارے .....

یہ راتیں یہ چاند ستارے
جوگن تم پر جیون وارے
نخشب نخشب پیارے پیارے
آؤ بھی اب تو من جاؤ۔ پریتم پیارے......

---

(۶)

پریت نگر کی ریت یہی ہے جو کھوئے سو پائے
آشاؤں کے جھولے بنا کر پریم کی پینگ بڑھا
اُس کے دل میں اپنا گھر کر اس کو من میں بسا
پھر کیوں من میں ہوک اُٹھت ہے پھر کیوں یاد ستائے
پریت نگر..................
کُوکُو کی اس دھن میں کوئل بھیج رہی سندیس
بیری پپیہا پی کو پکارے پیا گئے پردیس
سب کو اپنی اپنی پڑی ہے کون کسے سمجھائے

پریت نگر..............

جب سے نخشب وہ روٹھے ہیں بیری ہے سنسار

اب ہے چاروں دور اندھیرا کاٹے ہے گھر بار

نینن کے پٹ دونوں کھلے ہیں شاید وہ آ جائے

پریت نگر..............

---

(۷)

تم نے میری ایک نہ مانی

اب نگری آباد نہیں ہے

تم بن یہ دل شاد نہیں ہے

کیا وہ تم کو یاد نہیں ہے

دن تھا سندر رات کہانی ۔ تم نے میری.....

تم بن دل کو چین نہیں ہے

میں تو کہیں ہوں دھیان کہیں ہے

اب تو مجھے بھی اس کا یقیں ہے
جگ سپنا ہے دنیا فانی - تم نے میری....
نخشب چرچے ہیں یہ گھر گھر
اس میں مسجد ہو یا مندر
کہتی پھری میں جوگن بن کر
اپنی بپتا - اپنی کہانی - تم نے میری......

---

(۸)

کیسے تمھیں سمجھاؤں رے پیتم - کیسے تمھیں سمجھاؤں
آ گیا ساون پڑ گئے جھولے
میں تو نہ بھولی تم کیسے بھولے
کیسے یاد دلاؤں رے پیتم - کیسے تمھیں سمجھاؤں....
چاندنی راتیں دریا کنارا
میرا تری باہوں پہ سہارا

اب وہ کہاں سے لاؤں رے پیتم۔ کیسے تمھیں سمجھاؤں....

تم بن جیون کتنا بھاری
اس میں اگر ہو دنیاداری
تم کو کبھی نہ پاؤں رے پیتم۔ کیسے تمھیں سمجھاؤں......

---

(۹)

روٹھ گئے کیوں مجھ سے ساجن

من مندر میں تیری مورت
راس نہ آئی پریم مہورت
کیسے دیکھوں گی اب صورت
ٹوٹ گیا ہردے کا درپن۔ روٹھ گئے کیوں مجھ سے ساجن

ہو گئیں سپنا پریم کی باتیں
روٹھ گئیں مجھ سے برساتیں
کاٹیں ناگن بن بن راتیں

سب بیری ہیں سب اَن بن - روٹھ گئے کیوں مجھ سے ساجن

مد آنکھوں میں رس باتوں میں

لٹ گئی پریتم کی گھاتوں میں،

نخشب ہے تیرے ہاتھوں میں

میری دُنیا میرا جیون - روٹھ گئے کیوں مجھ سے ساجن

---

(۱۰)

پریت کی ریت بتادے سجنی

اودی اودی بدری چھائی

مد کی درشا کرتی آئی

بھر بھر جام پلادے سجنی - پریت کی ریت ....

سب کے ہردے پریم سے بھر دے

کُل جگ کو اپنا سا کر دے

پریم کا رنگ جمادے سجنی - پریت کی ریت ....

آئین تجھ پہ جیون واروں
تجھ کو جیتوں خود کو ہاروں
سندر مکھ دکھا دے سجنی - پریت کی ریت ...

نخشب ڈھونڈے تجھ کو بن بن
پر نہیں ہوتے تیرے درشن
اپنا کھوج بتا دے سجنی - پریت کی ریت ...

---

(۱۱)

پریم نہ آیا راس سکھی ری - پریم نہ آیا راس
جس سے رشتہ ناتا جوڑا
جس کی کارن جگ کو چھوڑا
اُسی نے میرے من کو توڑا
پریم نہ آیا راس سکھی ری - پریم نہ آیا راس
مکھ نہ دکھا دے جو من بھاوے

دل آتے ہی آفت آوے
پریت کی کوئی ریت نہ پاوے
پریم نہ آیا راس سکھی ری - پریم نہ آیا راس
پریم کے موتی بھینٹ چڑھائے
من مندر میں دئے جلائے
پھر بھی نخشب پاس نہ آئے
پریم نہ آیا راس سکھی ری - پریم نہ آیا راس

---

(۱۲)

تن من پھونکے برہا کی آگ
پریمی تو پردیس سدھارے
ہو گئے بیری چاند ستارے
کاٹوں جیون کس کے سہارے
کس کو سناؤں من کا راگ - تن من پھونکے ......

سونا پڑا ہے من کا شوالا
کیسے جیوں اب پریم کی مالا
آجا ساجن کر دے اُجالا
ایسے کہاں ہیں مرے بھاگ۔ تن من پھونکے .....
کوئل روٹھی اموا روٹھے
میں نے جنھیں بھی چاہا روٹھے
مجھ سے نخشب تم کیا روٹھے
مجھ سے روٹھے میرے بھاگ۔ تن من پھونکے .....

---

(۱۳)

گائے جا ملہار پپیہے گائے جا
برہا میں برکھا بس برسائے
وہ ہوں تو امرت بن جائے
یہ بوندیں یہ پھوار ـــــ پپیہے

ہم یہ بپتا کس کو سنائیں
کاٹ رہی ہیں ٹھنڈی ہوائیں
ہوک اُٹھت ہر بار ——— پپیہے
برہا کی گھڑیاں دُکھ کے زمانے
جس پہ بیتیں بس وہی جانے
کیا جانے سنسار ——— پپیہے
بوندوں نے دل میں گھاؤ کئے ہیں
جانے کب کے بدلے لئے ہیں
بدلے ہیں کاری وار ——— پپیہے
پریت کی بپتا سب سے کڑی ہے
نخشبؔ سب کو اپنی پڑی ہے
کون کسی کا یار ——— پپیہے

---

(۱۴)

سب سے نیاری پریت ہماری

دیکھی تھی بس ایک جھلک سی
ہوتی ہے دل میں اب بھی کسک سی
وار تھا اوچھا گھاؤ ہے کاری ۔ سب سے نیاری ....

پھیر لیں اس نے نظریں جھجک کر
رہ گئی دل میں پھانس کھٹک کر
جس نے بنا دی جان پہ بھاری ۔ سب سے نیاری ....

ایک گھڑی کا کل تھا جھمیلا
پریت کا جس میں کھیل بھی کھیلا
ماتیں بھی کھائیں بازی بھی ہاری ۔ سب سے نیاری ....

من مندر میں جس سے اُجالا
جپتے ہیں اس کے نام کی مالا
ہم تو ہیں مخشب پریم پجاری ۔ سب سے نیاری .....

(۱۵)

بھول جا پنچھی پریم کی باتیں
آئی ہے برکھا آتی رہے گی
جیون کو تڑپاتی رہے گی
امرت رس برساتی رہے گی
پر نہیں آئیں وہ برساتیں ــــــــ بھول جا

جیون شاید پھر دہرائے
بیتے ہوئے دن کون بلائے
ایک مجھی کو راس نہ آئے
چھٹکے ستارے چاندنی راتیں ــــــــ بھول جا

دھوکے میں خود ہی آیا کئے ہم
اُن کو اپنا بنایا کئے ہم
غم شب ہر دم کھایا کئے ہم
جان کی بازی جان کے ماتیں ــــــــ بھول جا

(۱۶)

پریم ہے من کا مول رے پریتم ۔ پریم ہے من کا مول

پریم کا پلہ سب سے بھاری
پریتم میں ہوں پریم بھکاری
من کو من سے تول رے پریتم ـــــ پریم ہے من

مجھ کو بھی اپنا سا کر دے
بھر دے بھر دے پریم سے بھر دے
ہردے کا کشکول رے پریتم ـــــ پریم ہے من

آنسوؤں کا اک تار بندھا ہے
بہتا دریا کس سے رُکا ہے
موتی ہی موتی رول رے پریتم ـــــ پریم ہے من

پریت نہیں ہے اک دھوکا ہے
اپنے مطلب کی دنیا ہے
ایسے بول نہ بول رے پریتم ـــــ پریم ہے من

جی میں کپٹ ہے منہ پہ ہنسی ہے
مخشب دنیا کھوٹ بھری ہے

سونے کا ہے جھول رے پریتم —— پریم ہے من

---

(۱۷)

اس سوچ میں بیٹھے ہیں انھیں کیسے بھلائیں
ہم کیسے بھلائیں

وہ پریت کی رت اور وہ ساون کی گھٹائیں —— ہم کیسے بھلائیں
بے چین کئے دیتی ہیں یہ ٹھنڈی ہوائیں —— ہم کیسے بھلائیں
اس سوچ میں بیٹھے ہیں ....
جگ ہی نہیں آکاش کے بھی چاند ستارے —— یہ داس ہیں سارے
ہر وقت جو ہر بار انھیں یاد دلائیں —— ہم کیسے بھلائیں
اس سوچ میں بیٹھے ہیں ....
جی کو بھی ذرا اُن کے بنا چین نہیں ہے —— اور یہ بھی یقیں ہے
وہ گھر یہ ہمارے کبھی آئے ہیں نہ آئیں —— ہم کیسے بھلائیں

اس سوچ میں بیٹھے ....

نخشب کوئی غم بھی تو ہو اس پریت کی آخر —— اس ریت کی آخر

وہ دیتے ہیں دُکھ ہم اُنھیں دیتے ہیں دعائیں —— ہم کیسے بُھلائیں

اس سوچ میں بیٹھے ....

---

(۱۸)

کیا کیا روپ دکھائے جیون کیا کیا روپ دکھائے

کبھی نپٹ اندھیری پل میں رین سے بھور ہو جائے

جگ کی شوبھا دیکھت ہوں اور ہوت نہیں وشواس

جیسے وہ مل جائے جس کی ٹوٹ چکی ہو آس

آنکھیں دیکھیں، ہردے پرکھے، کھوٹا کھرا بتلائے

جاکے ہوں یہ سنگ سنگاتی کیوں اندھا کہلائے

کیا کیا رُوپ دکھائے جیون کیا کیا رُوپ دکھائے

---

(۱۹)

پریت کی کیسی اُلٹی لگن ہے

پریم جو من میں آگ لگائے
اور اُسے دُنیا بھڑکائے
غیر تو کیا اپنا نہ بجھائے

آنکھیں آنسو دل میں جلن ہے

کھولے آنکھیں سوتے رہنا
بیٹھے بیٹھے روتے رہنا
یونہی جیون کھوتے رہنا

اِس نگری کا یہی چلن ہے

پریت کا کوئی کھوج نہ پائے
بیٹھے رہیں تو جی گھبرائے
چلے چلیں تو چھور نہ آئے

پریم نگر کا رستہ کٹھن ہے

برہا میں سب ہی برچھی ماریں
کس کا ساون کیسی بہاریں
نخشبؔ جیون کیسے گزاریں

مرنا دوبھر، جینا مرن ہے

(۲۰)

آؤ ساجن مل جُل بیٹھیں پریم کی بنسی بجائیں
دوہردوں کے اِک تارے پر بول منوہر گائیں
گھن کے بادل کالی گھٹائیں
ہر پہر امرت رس برسائیں
ڈول رہی ہیں ٹھنڈی ہوائیں
دل کی اُمنگیں مچلی جائیں
کاہے من ترپائیں ساجن، کاہے من ترپائیں
آؤ ساجن مل جُل بیٹھیں، پریم کی بنسی بجائیں
دوہردوں کے اِک تارے پر بول منوہر گائیں
پلک جھپکنے سے بھی پہلے
من کی باتیں من سے کہلے
پریم کا بیری ہے جگ سارا
بھید نہ پائے کوئی ہمارا

ایسے کہیں کھو جائیں ساجن ایسے کہیں کھو جائیں
آؤ ساجن مل جُل بیٹھیں پریم کی بنسی بجائیں
دو ہردوں کے اک تارے پر بول منوہر گائیں

دن ہے سلونا رات سہانی
یہ بھی گھڑی ہے آنی جانی
پھر یہ زمانہ آئے نہ آئے
جی کی جی میں کیوں رہ جائے

وقت کو یوں نہ گنوائیں ساجن وقت کو یوں نہ گنوائیں
آؤ ساجن مل جل بیٹھیں پریم کی بنسی بجائیں
دو ہردوں کے اِک تارے پر بول منوہر گائیں

(۲۱)

کیسے جی بہلاؤں ساجن کیسے جی بہلاؤں
کیسے جی بہلاؤں تم بن کیسے جی بہلاؤں

کس سے کہوں اے پی ہرجائی
تم نے میری سُدھ بسرائی
کیسے ہوش میں آؤں ساجن کیسے ہوش میں آؤں
کیسے جی بہلاؤں تم بن کیسے جی بہلاؤں

میں نے تم کو سب کچھ مانا
تم نے مجھ کو کچھ بھی نہ جانا
کس کا دوش بتاؤں ساجن کس کا دوش بتاؤں
کیسے جی بہلاؤں تم بن کیسے جی بہلاؤں

اِس جیون سے جی اُکتائے
موت سے پہلے موت آجائے
جیتے جی مرجاؤں ساجن جیتے جی مرجاؤں
کیسے جی بہلاؤں تم بن کیسے جی بہلاؤں

(۲۲)

پھول کھلے آشا کے چمن میں پھر پھر آئی بہار

پت جھڑ جائے اور پل بھر میں رت یہ ہو سندر روپ
اب اس نگری چھاؤں ہے ٹھنڈی جہاں تھی تپتی دھوپ
موسم بدلا، دنیا بدلی، بدلا سب سنسار
پھول کھلے آشا کے چمن میں پھر پھر آئی بہار

سپنے میں جگ، آکاش اور تارے جیسا رنگ دکھائیں
پٹ کھلنے پر اس سے بھی بڑھ کر من موہن بن جائیں
چڑھتا اترتا روپ ہے جیون کا ہے سوچ وچار
پھول کھلے آشا کے چمن میں پھر پھر آئی بہار

قطعہ

[illegible]

غلط نامہ

صفحہ	غلط	صحیح
۱۷	چلے آتے وہ رسم و نیا سمجھ کر	چلے آتے وہ رسم دنیا سمجھ کر
۲۸	ملتے ہی نظر چھن گئی یوں حسن کی دولت	ملتے ہی نظر چھن گئی یوں ہوش کی دولت
۳۹	نظر میں انگی رنگِ اجتناب نہیں	نظر میں انکی ابھی رنگِ اجتناب نہیں
۴۰	حسن کی قسمت بغیر عشق کھل سکتی نہیں	حسن کی قیمت بغیر عشق کھل سکتی نہیں
۴۸	ابھی ٹھہرے گا سوزِ غم ابھی یہ زخم لو دینگے	ابھی بھڑکیگا سوزِ غم ابھی یہ زخم لو دیں گے
۷۲	جفاؤں کا مری احساس باطل ہوتا جاتا ہی	جفاؤں کا تری احساس باطل ہوتا جاتا ہے
۸۰	تجدید عہد اور یہ بے وجہ اضطراب	تجدید عہد اور بنا وجہ اضطراب
۸۳	ابھری دل کی چوٹ بو دینے لگے سینے کے داغ	ابھری دل کی چوٹ لو دینے لگے سینے کے داغ
۸۴	یہ مٹ سا گیا ذہن سے ہوتی ہے وفا کیا	یہ مٹ سا گیا ذہن سے ہوتی ہے قضا کیا
۸۵	آرہا ہے اس طرح سے انکا دھندلا سا خیال	آرہا ہے اس طرح اب ان کا دھندلا سا خیال
۹۲	خلش دل حدود دوستی سے آہی جاتی ہے	خلش دل کی حدود دوستی میں آ ہی جاتی ہے

صفحہ	غلط	صحیح
۹۲	جہاں محسوس ہوتی تھی وہاں اب پائی جاتی ہے	جہاں محسوس ہوتی تھی وہاں اب پائی جاتی ہے
۹۴	دل بغیر دید جاناں قطرہ سیماب ہے	دل بغیر دید جاناں پارۂ سیماب ہے
۹۸	اگر ہم عمر خضر لے کے بھی جیے ہوتے	خضر کی عمر بھی لے کر اگر جیے ہوتے
۱۲۳	عقل و دانش ہی الگ اور اک کی حد سے جدا	عقل و دانش سے الگ اور اک کی حد سے جدا
۱۲۴	ان نگاہوں میں سکون دائمی پاتا ہوں میں	ان نگاہوں سے سکون دائمی پاتا ہوں میں
۱۲۵	اب خوشی بھی تا دیوانگی پاتا ہوں میں	اب خوشی بھی تا حد دیوانگی پاتا ہوں میں
۱۲۸	گم ہے کیفیتوں میں ہر مفہوم	گم ہے بے کیفیوں میں ہر مفہوم
۱۲۸	بے ثباتی نہیں اڑاتی ہے	بے ثباتی ہنسی اڑاتی ہے !!!
۱۵۹	الہام کی فضا میں کلب و نظر میں گھیرے	الہام کی فضا میں قلب و نظر میں گھیرے

ناشران:- ہندوستانی پبلشرز دلی

اعلیٰ غلہ قیمت معمولی ۲ روپے

(جمال پریس دہلی)